خواتین کی نماز باجماعت

فقہاء کی نظر میں

اردو ترجمہ

تحفة النبلاء في جماعة النساء

للإمام المحدث الفقيه محمد عبد الحي اللكنوي الهندي

ترجمہ، تحقیق و تعلیق

محمد شمس قمر

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

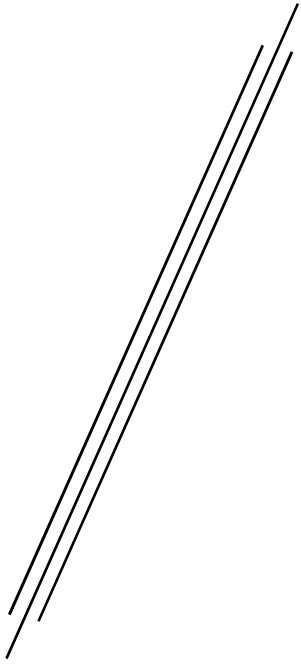

خواتین کی نماز باجماعت

فقہاء کی نظر میں

اردو ترجمہ

تحفۃ النبلاء في جماعۃ النساء

خواتین کی نماز باجماعت

فقہاء کی نظر میں

اردو ترجمہ

تحفة النبلاء في جماعة النساء

للإمام المحدث الفقيه محمد عبد الحي اللكنوي الهندي

ترجمہ، تحقیق و تعلیق

محمد شمس قمر
فاضل دار العلوم دیوبند

باهتمام: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دار العلوم وقف دیوبند، سہارنپور، یوپی، الہند
جملہ حقوق بحق ناشر: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دار العلوم وقف دیوبند محفوظ ہیں۔

Composed by: Mohammd Javed
Copyright © Hujjat al-Islam Academy
Darul Uloom Waqf Deoband
All rights reserved.

Hujjat al-Islam Academy
Al Jamia Al-Islamia Darul Uloom Waqf Deoband
Eidgah Road, P.O.Deoband - 247554,
Distt: Saharanpur U.P. India
Tel: +91 84394 12767, +91 92599 87074
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in,
hujjatulislamacademy2013@gmail.com
Printed at: Markazi Publications, New Delhi

ISBN 978-93-84775-51-3

خواتین کی نماز باجماعت

فقہاء کی نظر میں

اردو ترجمہ

تحفة النبلاء في جماعة النساء

للإمام المحدث الفقيه محمد عبد الحي اللكنوي الهندي

ترجمہ، تحقیق وتعلیق

محمد شمس قمر

فاضل دار العلوم وقف دیوبند

ناشر

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

فہرست

شمار نمبر	مضامین	صفحہ
۱	**مقامِ حمد وسپاس** حضرت اقدس مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند	۱۰
۲	**تقریظ** مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند	۱۲
۳	**مقدمہ** مولانا مفتی امانت علی صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم وقف دیوبند	۱۶
۵	انتساب	۱۹
۶	اظہار تشکر	۲۰
۷	**ابتدائیہ**	۲۲
۸	فخر الہند علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ لکھنویؒ	۲۷
۹	مختصر تعارف	۲۷
۱۰	ولادت	۲۷
۱۱	نام اور سلسلہ نسب	۲۷
۱۲	فرنگی محل کی طرف نسبت	۲۸
۱۳	تعلیم وتربیت	۲۸
۱۴	علمی انہماک	۲۹

۱۵	علامہ لکھنوی کی علمی وسعت	۳۰
۱۶	علمی تصانیف	۳۱
۱۷	چار شاہکار مؤلفات	۳۳
۱۸	علامہ لکھنویؒ کا مسلک	۳۴
۱۹	علامہ لکھنویؒ کے بعض تفردات	۳۶
۲۰	وفات	۳۷
۲۱	**مقدمة المؤلف**	۳۸
	پہلا باب	
۲۲	احادیث	۴۰
۲۳	حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کا امامت کرنا	۴۰
۲۴	حدیث ام ورقہ رضی اللہ عنہا پر علامہ عینی کی شہادت	۴۴
۲۵	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا امامت کرنا اور درمیان میں کھڑا ہونا	۴۵
	دوسرا باب	
۲۶	مختلف نظریات	۵۰
۲۷	احناف کا نقطہ نظر اور ان کی توجیہات	۵۰
۲۸	فقہائے احناف کے اقوال	۵۱
۲۹	(۱) علامہ زین الدین ابن نجیم مصری	۵۱
۳۰	(۲) محمود بن احمد بدر الدین عینی	۵۲

۳۱	(۳) عبدالرحمٰن بن محمد شیخی زادہ	۵۲
۳۲	(۴) ابوبکر بن علی بن محمد الحداد	۵۳
۳۳	(۵) علامہ عثمان بن علی زیلعی	۵۴
۳۴	(۶) نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی	۵۵
۳۵	(۷) یوسف بن عمر بن یوسف کا دوری	۵۵
۳۶	(۸) ابوالبرکات عبداللہ بن احمد حافظ الدین النسفی	۵۶
۳۷	(۹) محمد بن عبداللہ التمر تاشی	۵۷
۳۸	مذکورہ اقوال سے حاصل شدہ نتائج	۵۸
۳۹	پہلا طریقہ: عورتوں کی تنہا جماعت کی ممانعت کی وجوہات	۵۸
۴۰	پہلی بحث	۵۸
۴۱	دوسری بحث	۶۲
۴۲	تیسری بحث	۶۳
۴۳	چوتھی بحث	۶۳
۴۴	پانچویں بحث	۶۵
۴۵	چھٹی بحث	۶۵
۴۶	ساتویں بحث	۶۶
۴۷	آٹھویں بحث	۶۶
۴۸	نویں بحث	۶۷
۴۹	دوسرا طریقہ: خواتین کی جماعت مستحب ہے یا بدعت؟	۶۹

۵۰	اتقانی کے قول کا جواب	۶۹
۵۱	بدعت کی تعریف	۷۰
۵۲	علامہ لکھنوی کا اعتراض	۷۱
۵۳	تیسرا طریقہ: خواتین کی جماعت مشروع ہے یا مکروہ؟	۷۴
۵۴	چوتھا طریقہ: خواتین کے لیے اذان کا حکم	۷۸
۵۵	پانچواں طریقہ: خواتین کی جماعت کے عدم استحباب کے دلائل کا جائزہ	۸۰
۵۶	خواتین کی نماز گھر کی کوٹھری میں	۸۰
۵۷	حدیث کا محمل	۸۱
۵۸	ابتداء اسلام والے قول کا رد	۸۲
۵۹	علامہ لکھنوی کا جواب	۸۳
۶۰	نسخ سے پہلے کا حکم کہنے والوں کا رد	۸۴
۶۱	منسوخ قول کا رد	۸۴
۶۲	صاحبِ عنایہ کا جواب	۸۵
۶۳	دوسری وجہ	۸۵
۶۴	تیسری وجہ	۸۷
۶۵	مصنف کی وضاحت	۸۹
	تیسرا باب:	
۶۶	خواتین کے لئے اذان کا حکم	۹۱
۶۷	خواتین کی جماعت مکروہ تحریمی ہے	۹۲

۶۸	عورت کا امام بننے پر کراہت کی وجہ	۹۲
۶۹	فرائض ونوافل دونوں میں کراہت ہے	۹۳
۷۰	عورت اگر خلیفہ بن جائے تو کیا حکم ہے؟	۹۳
۷۱	جنازہ کی نماز میں عورت کا امام بننا	۹۴
۷۲	پہیلی	۹۵
۷۳	خنثیٰ کا امام بننا	۹۵
۷۴	عورت کب مرد کی امام بن سکتی ہے؟	۹۵
۷۵	مردوں کا عورت کی اقتدا کرنا	۹۶
۷۶	مرد وعورت کا محاذات میں ہونا	۹۷
۷۷	مرد کا تنہا عورتوں کا امام بننا	۹۸
۷۸	**ضمیمہ** **خواتین اور جماعت کی نماز**	۹۹
۷۹	تعارف: عناوین	۹۹
۸۰	(۱) خواتین کا خواتین کی امامت کرنا	۱۰۰
۸۱	خلاصہ جواب حسب فقہ حنفی	۱۰۹
۸۲	(۲) خواتین کا مردوں کی امامت کرنا	۱۱۳
۸۳	(۳) مرد کا گھر میں خواتین کی امامت کرنا	۱۱۵
۸۴	گھر کی جماعت میں صرف محرم عورتیں شامل ہوں	۱۱۶
۸۵	گھر کی جماعت میں محرم اور غیر محرم عورتیں شامل ہوں	۱۱۷

۸۶	گھر کی جماعت میں صرف غیر محرم عورتیں شامل ہوں	۱۱۹
۸۷	گھر کی جماعت میں خواتین کے ساتھ مرد بھی شامل ہوں	۱۲۱
۸۸	(۴) خواتین کا مسجد میں نماز کے لیے جانا	۱۲۲
۸۹	منشائے شریعت	۱۲۲
۹۰	محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۲
۹۱	حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ	۱۲۴
۹۲	حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ	۱۲۵
۹۳	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	۱۳۷
۹۴	حضرت مولانا مفتی امانت علی صاحب قاسمی	۱۳۹
۹۵	تجاویز بابت مساجد میں خواتین کی آمد کا حکم شرعی	۱۴۱
۹۶	(۵) خواتین کا عیدگاہ کی جماعت میں شریک ہونا	۱۴۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقامِ حمد وسپاس

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
استاذ حدیث ومہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

بارگاہِ الٰہی جلّ مجدہ میں بہ نیاز عجز اظہارِ تشکر اور حمد وسپاس ہے کہ دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ تخصص فی الافتاء کے فاضلِ ذی فہم عزیزم مولوی شمس قمر صاحب معین مدرس نے اپنے مقالۂ سنویہ کے لیے برصغیر کے نامور فقیہ اور متبحر عالم حضرت مولانا عبدالحي لکھنویؒ کی نہایت وقیع اور علمی حیثیت کی حامل تصنیف ''تحفةُ النبلاء في جماعةِ النساء'' کو اپنا موضوعِ تحقیق وتدوین قرار دیا، یہ موضوعی انتخاب عزیز موصوف کے علمی ذوقِ اور فقہی بصیرت کے آثار پر دلالت کرتا ہے امید ہے کہ ان کی یہ کاوش فقہی تحقیق کے باب میں ان شاءاللہ قدر افزاء اضافہ ثابت ہوگی۔

ایک صاحبِ علم کے لیے لازم ہے کہ وہ دفاعِ دین اور دفعِ باطل کی ذمہ داری کو ہمہ وقت اپنی اولین ترجیحات میں شمار کرے کیونکہ علم کی وقعت اس وقت تک ہی برقرار رہتی ہے جب ایک عالم زمان ومکان کے تقاضوں کا سامنا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو کیونکہ صاحبِ علم کا حقیقی کمال یہ ہے کہ وہ اپنی علمی جِدّ وجہد کو نفعِ عام، استقامت حق، اور دفع فتن کے لیے صرف کرے چنانچہ اسی تناظر میں یہ کلیہ بنیادی اور اصولی اہمیت کا حامل ہے کہ جس

شخص کو اپنے علمی و دینی اہداف میں کامیابی مطلوب ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنی فکری قوتوں، اوقات اور ذہنی توانائیوں کو مثبت تعمیری مشغولیات میں اس درجہ مصروف کر دے کہ بے فائدہ گفتگو اور لاحاصل تنقید کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی باقی نہ رہے کیونکہ بے جا تنقید اور دوسروں کی عملی یا علمی کاوشوں میں عیب جوئی عموماً ان لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے جن کے علمی مشاغل اور تحقیقی محنتیں کمزور ہوتی ہیں اور جو وقت کے حقیقی مصرف سے ناآشنا ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ متاعِ وقت ہی اہلِ علم کی حقیقی زندگی کا حاصل ہے اسے ضائع کرنا گویا زندگی کو بے سمت کر دینے کے مترادف ہے۔

راقم السطور ذات حق جل مجدہ بارگاہِ کبریائی میں نہایت عجز و نیاز کے ساتھ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس علمی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبولیت اور ثمر آوری سے سرفراز فرماتے ہوئے انہیں علم و عمل کی مزید عظمتیں رفعتیں اور دین متین کی خدمت کی اعلیٰ توفیقات و سرخروئی سے بہریاب فرمائیں۔

آمین یارب العالمین

وماعلینا إالبلاغ المبین

محمد سفیان قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
مورخہ: ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ
مطابق: ۶/ نومبر ۲۰۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی
ونائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین. أما بعد:

شریعتِ اسلامیہ میں عبادت کا مقصود محض ظاہری اعمال کی ادائیگی نہیں، بلکہ باطنی تربیت اور روحانی تزکیہ بھی مطلوب ہے۔ نماز، جو ایمان کا ستون اور بندگی کی روشن علامت ہے، مرد وعورت دونوں کے لیے قربِ الٰہی کا یکساں وسیلہ ہے۔ تاہم جماعت کی تنظیم، قیادت اور طریقۂ ادائیگی کے باب میں شریعت نے دونوں کے لیے جداگانہ ہدایات عطا فرمائی ہیں، تاکہ عبادت کا وقار، نظم اور روح برقرار رہے۔ انہی پہلوؤں میں سے ایک اہم بحث خواتین کی باہمی جماعت سے متعلق ہے کہ کیا عورتیں مردوں سے الگ اپنی جماعت قائم کرسکتی ہیں؟ اس مسئلے میں اہلِ علم کے مابین اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، مگر ہر موقف کے پس منظر میں شریعت کی حکمت، عبادت کی روح، اور امت کی مصلحت

جلوہ گر ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں نے اپنی جماعت قائم کی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ وہ عورتوں کی امامت کراتی تھیں اور صف کے درمیان کھڑی ہوتیں۔ (الحاکم، المستدرک: ج ۱، ص: ۳۲۰، رقم: ۷۳۱)

اسی طرح حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ ورقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی ایسی روایات ملتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے حضرت اُمّ ورقہؓ کو اپنے گھر والوں کی امامت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

ان روایات میں عورتوں کے لیے اپنی جماعت بنانا ممنوع نہیں ہے۔ اگر نیت دینی تربیت، عبادت میں شوق، یا تعلیم واجتماع کے جذبے پر مبنی ہو تو شریعت اس پر قدغن نہیں لگاتی، البتہ امامت کرنے والی خاتون کا صف کے درمیان کھڑا ہونا لازم ہے۔

فقہِ حنفی کی کتابوں میں عورتوں کی الگ جماعت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اسی موضوع پر حضرت مولانا عبدالحي لکھنوی فرنگی محلیؒ کی تحقیق نہایت قابلِ توجہ ہے۔ انہوں نے اپنی مستقل تصنیف ''تحفة النبلاء في جماعة النساء'' میں نہایت دلائل وحوالہ جات کے ساتھ یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اگر کوئی عورت عورتوں کی امامت کرے تو اس کی نماز صحیح ہے۔

مولاناؒ نے اس موقف کی تائید میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت اُمّ سلمہؓ اور حضرت اُمّ ورقہؓ کے عملی نمونوں سے استدلال کیا ہے، جنہوں نے عورتوں کی جماعت کروائی تھی۔

یہ تمام روایات اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام نے عورتوں کی باجماعت اور اجتماعی عبادت کی بھی گنجائش رکھی ہے، بشرطیکہ اس میں شرعی آداب و حدود کا لحاظ رکھا جائے۔ اگرچہ علماء احناف کا عمومی رجحان اس کے برعکس ہے اور علماء دیوبند کے فتاوی بھی اس کے خلاف ملتے ہیں تاہم علامہ لکھنوی کی یہ تحقیق اہل علم کے مطالعہ اور اس موضوع کے احاطہ و دراسہ کے حوالے سے لائق توجہ ہے۔

دارالعلوم وقف دیوبند برصغیر کا ایک نمایاں علمی مرکز اور فکر قاسمی کا امین ہے، جس نے آغاز ہی سے تعلیم و تحقیق کے ساتھ فکری رہنمائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر اس نے شعبۂ تخصص فی الافتاء قائم کیا، جو آج علمی دنیا میں اپنی منفرد پہچان رکھتا ہے۔

اسی شعبہ کے ایک طالب علم، مولوی محمد شمس قمر نے "**تحفة النبلاء في جماعة النساء**" کا ترجمہ، تحقیق اور تعلیق پیش کی ہے۔ یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) خواتین کی جماعت اور امامت کی کیفیت۔

(۲) مختلف فقہی مذاہب کے مابین اس کے جواز یا عدمِ جواز کا بیان۔

(۳) علمائے احناف کے تفصیلی نظریات۔

ضمیمہ میں خواتین کی امامت، مردوں کی امامت میں شرکت، گھریلو امامت اور خواتین کے مسجد میں آنے جیسے معاصر مسائل پر فتاویٰ نقل کیے گئے ہیں۔ آخر میں محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور دیگر اکابر علم کی آراء ان کی کتابوں کے حوالے سے نقل کی گئیں ہیں تاکہ اس باب میں منشاء شریعت سے اچھی طرح واقفیت ہو سکے۔

یہ کاوش اگرچہ ابتدائی نوعیت کی ہے، لیکن اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے لائقِ

تحسین ہے۔

اس علمی خدمت کو برادر مکرم جناب مفتی امانت علی صاحب قاسمی (استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند) کی نگرانی اور راہنمائی نے مزید نکھار اور وقار عطا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولوی محمد شمس قمر کی اس محنت کو شرفِ قبولیت بخشے، ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور دونوں حضرات کو دین کی خدمت میں مزید رفعتوں اور کامیابیوں سے نوازے۔ آمین

والله ولی التوفیق

محمد شکیب قاسمی
خادم دارالعلوم وقف دیوبند
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ
مطابق ۵/ نومبر ۲۰۲۵ء

مقدمہ

مولانا مفتی امانت علی صاحب قاسمی
استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند

دارالعلوم وقف دیوبند میں ''تخصص فی الفقہ الاسلامی'' کا شعبہ قائم ہے جس کا جامع ترین نصاب مرتب ہے، اس میں کتب فقہیہ، کتب فتاوی، مقاصد شریعت، تاریخ فقہ اسلامی، فقہ المعاملات المالیہ اور فقہ الاقلیات وغیرہ مضامین اور کتابیں شامل ہیں۔ اس شعبہ میں تکمیل افتا کے دو ممتاز طلبہ کا انتخاب عمل میں آتا ہے جس میں انہیں مختلف فقہی کتابوں کا مطالعہ و دراسہ کا پابند کرایا جاتا ہے، نئے مسائل سے متعلق فتاوی نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے، اس طرح ان میں فقہی مسائل کی تحقیق اور جدید مسائل کے حل کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے اور سال میں کسی اہم موضوع پر تحقیقی مقالہ بھی لکھنے کا پابند کیا جاتا ہے اور ادارہ کی طرف سے اسے کتابی شکل میں شائع کیا جاتا ہے، سال گزشتہ ''معاملات مالیہ میں ائمہ احناف کا اختلاف-مفتی بہ اقوال کی تعیین اور عصری تطبیقات'' کے عنوان سے کتاب منظر عام پر آچکی ہے جسے علمی حلقوں میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور پسند کیا گیا ہے۔

عبادات کے باب میں نماز کا معاملہ انتہائی اہم ہے اور نماز میں اصل جماعت کی نماز ہے لیکن خواتین کے لیے جماعت کی نماز سے بہتر گھروں میں تنہا نماز پڑھنا ہے۔ عام طور پر فقہائے احناف کے نزدیک: عورتوں کی تنہا جماعت مکروہ ہے، لیکن یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ اگر کوئی عورت، عورتوں کی امامت کرے تو وہ درمیان میں کھڑی ہو، آگے کھڑی نہ ہو۔

اسی موضوع پر علامہ لکھنویؒ کا رسالہ بنام "تحفة النبلاء في جماعة النساء" ہے جس میں آپ نے احادیث وآثار کو نقل کرنے کے بعد تمام تر روایات کی حیثیت متعین کی ہے اور دیگر ائمہ متبوعین کی آراء کو نقل کرنے کے بعد فقہائے احناف اور متاخرین فقہاء کی آراء کو نقل کیا ہے۔اس کے بعد احناف کے استدلال کے مختلف طریقہ کار کو بیان کر کے اس پر نقد کیا ہے اور مطلقاً جواز کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے۔ بلاشبہ علامہ لکھنویؒ کی مذکورہ رائے جمہور فقہائے احناف کے خلاف ہے تاہم ان کی دلیلوں کو بالکلیہ نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

علامہ لکھنویؒ کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج بیان نہیں، انہوں نے علوم اسلامیہ خاص کر فقہ اسلامی کے باب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے، آپ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا اور اس عہد میں جب کہ کتابوں کی اس قدر فراوانی نہیں تھی اس قدر کتابوں کے حوالوں سے اپنی تحقیق کو مزین کرنا اور حیرت انگیز علمی تحقیقات سے متعارف کرانا قدیم عہد کی یاد دلاتا ہے۔ آپ کے مطالعہ کی وسعت کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ بلا لاگ لپیٹ کے اپنی رائے پیش کرتے ہیں جن میں آپ کی بعض آراء تفردات کا پہلو بھی اختیار لیتی ہیں۔

پیش نظر کتاب شعبہ ''تخصص فی الفقہ'' دارالعلوم وقف دیوبند کے ممتاز فاضل عزیزم مفتی محمد شمس قمر قاسمی سہرساوی کی تحقیق وتعلیق کے بعد منظر عام پر آرہی ہے۔ یہ کتاب علامہ عبدالحي لکھنویؒ کی فاضلانہ تحقیق ہے جس میں انہوں نے جمہور فقہائے احناف کی رائے کے خلاف جاکر اپنی تحقیق پیش کی ہے اور احادیث وآثار اور احناف کی متعدد کتابوں سے اس کو مدلل کرتے ہوئے اس پر ہونے والے تمام تر اعتراضات کے جوابات بھی دئے ہیں۔ دارالعلوم وقف دیوبند کی طرف سے سال گزشتہ علامہ لکھنویؒ کے دو رسائل پر کام کرایا گیا تھا جن میں ایک یہ کتاب ہے اس کتاب میں عزیز مکرم نے انتہائی محنت وجانفشانی سے ترجمہ، تحقیق وتخریج کی ذمہ داری انجام دی ہے، عناوین لگانے کی وجہ سے کتاب کی فہم آسان ہوگئی ہے، حضرت نے جن مآخذ کا حوالہ دیا ہے ان میں بیشتر کا تعارف بھی حاشیہ میں درج کردیا

ہے، اخیر میں ایک ضمیمہ بھی ہے جس میں عورتوں کی جماعت کی مختلف صورتوں کو اکابر علماء دیوبند کی آراء کی روشنی میں مرتب کیا ہے، اس طرح یہ کتاب علامہ لکھنویؒ کی تحقیق سے استفادہ کے ساتھ خواتین کی جماعت کی مختلف صورتوں کے حوالے سے ایک بہترین دستاویز ہے۔ امید ہے کہ قارئین علامہ لکھنویؒ کی تحقیق سے استفادہ کریں گے اور فاضل محقق کے ضمیمے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ تاہم یہ پہلو بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ یہ عربی رسالہ ہے جسے اردو قالب میں منتقل کیا گیا ہے اور بعض جگہوں پر علامہ لکھنویؒ نے منطقی طرز استدلال بھی اختیار کیا ہے اس لیے تمام تر کوششوں کے باوجود اس میں ترجمہ پن کا احساس باقی ہے۔ اس کے باوجود قارئین کو ان شاء اللہ اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوگا۔

اس اہم علمی کام کے اصل محرک علم دوست شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب صاحب قاسمی (استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) ہیں، آپ کی دلچسپی ونگرانی نے کام کو اس مرحلے تک پہونچا دیا، طلبہ کی حوصلہ افزائی آپ کا خصوصی امتیاز ہے جس نے طلبہ میں علم وتحقیق کی اسپرٹ پیدا کردی ہے، دارالعلوم وقف دیوبند میں اس وقت جو علم وتحقیق کی بساط بچھی ہوئی ہے اور جس تیز گامی سے یہ قافلہ روز وشب رواں دواں ہے یہ سب آپ کی جہد مسلسل اور سعی پیہم کا نتیجہ ہے، دارالعلوم وقف دیوبند کی تمام ہی تعلیمی، تربیتی، تعمیری وانتظامی سرگرمیاں آپ کے انقلابی فکر ونظر کی عکاس اور حسن عمل کا مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عقابی حوصلوں میں مزید توانائی اور فکری افق میں غیر معمولی تابندگی عطا فرمائے۔ میں اس موقع پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کتاب کے تحقیق کار مفتی محمد شمس قمر قاسمی کو اس گراں قدر علمی تحقیق پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

امانت علی قاسمی
استاذ دارالعلوم وقف دیوبند
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ

انتساب

اپنی اس کاوش کو سب سے پہلے میں خدا کا عطیہ سمجھتا ہوں ورنہ میں اس لائق نہ تھا کہ علمی دنیا کے بے مثال فقیہ کی کتاب پر کچھ کام کرنے کی کوشش کر پاتا، اس کاوش کو میں اپنے والدین، اساتذہ کرام اور خاص طور سے ''مادر علمی دارالعلوم وقف دیوبند'' کی جانب منسوب کرتا ہوں جس نے دس سالوں تک اپنی علمی آغوش میں میری تربیت فرمائی اور مجھے حرف شناسی سے لے کر حرف نگاری کی سعادت بخشی۔

خاص طور سے اس علمی کاوش کے اصل محرک اور روح رواں جن کی بے مثال شفقت حسن تربیت اور دقیق علمی وعملی رہنمائی نے ہر مرحلے پر مرے لیے آسانیاں پیدا کر کے مجھے کچھ کرنے کا حوصلہ بخشا، روح رواں حضرت استاذ گرامی مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب، (استاذ حدیث ونائب مہتمم دار العلوم وقف دیوبند) کی جانب منسوب کرتا ہوں۔ امیر کارواں حضرت الاستاذ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کو اللہ رب العزت صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے، اور ادارے کے تمام اساتذہ کرام کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ مادر علمی کو ہمیشہ یوں ہی سرسبز وشاداب رکھے اور اس کے روح رواں کی خدمات کو ابد تک کے لیے قبولیت تامہ عطا فرمائے۔

اظہار تشکر

یقیناً ہر علمی وفکری کاوش کے پس منظر میں کچھ ایسے افراد ہوتے ہیں جن کی بے لوث محنت، مخلصانہ رہنمائی اور ہمہ جہت معاونت اس کام کو با معیار اور پر وقار بناتی ہے۔ زیر نظر کاوش کی ترتیب وتدوین کے مراحل میں بھی ہمیں ایسے ہی اہلِ علم وفضل کی سرپرستی حاصل رہی ہے؛ جن کی مخلصانہ اور مربیانہ شفقتوں نے اس لائق بنایا کہ اپنی کاوش کو صحیح رخ دے سکوں۔

اس موقع پر بالخصوص نبیرۂ حکیم الاسلام جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب (مہتمم دار العلوم وقف دیوبند) اور اپنے مخلص استاذ، علم دوست وعلماء نواز اور قدردان مربی، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب دامت برکاتہم کے حضور اپنے قلبی امتنان کا اظہار کرتے ہیں، جنہوں نے نہ صرف اس علمی خدمت کا موقع مرحمت فرمایا، بلکہ ہر مرحلے پر ہماری فکری راہنمائی کی اور عملی اعانت سے نوازا، جن کے لگائے ہوئے اس باغ اور چمن کے ہم خوشہ چین کہلائے، اور جن کے اس دیوار و در کے سایہ تلے تقریباً دس سال کا عرصہ گزارا۔ بلاشبہ اُن کی دل آویز توجہ اور مخلصانہ حوصلہ افزائی ہمارے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے، اور زندگی کی جمع پونجی میں انمول خزانہ ہے۔

اسی طرح ہم اپنے تمام اساتذہ کرام کے بھی تہ دل سے شکر گزار ہیں؛ خاص کر فقہ وفتاوی کی تربیت دینے والے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا مفتی امانت علی صاحب قاسمی

استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند کے ممنون ومشکور ہیں جنہوں نے اپنی علمی مصروفیات کے باوجود قیمتی مشورے، تحریری مواد اور اصلاحی نکات کے ذریعے ہماری رہنمائی فرمائی، اور ہماری اس علمی کاوش کو نکھارنے میں بھرپور توجہ دی۔ یہ مقالہ آپ کی نگرانی اور عملی تربیت کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ان تمام اصحابِ فضل کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی عمروں میں برکت، علم میں رسوخ، اور خدمات میں قبولیت عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

ابتدائیہ

فقہ کا انسانی زندگی اور معاشرے سے گہرا تعلق ہے، قرآن کریم جو آخری آسمانی کتاب ہے اور حدیث نبوی جو قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر ہے، سے مستنبط ہونے والے قانون فقہ سے انسانی زندگی کے شب وروز اور معاشرہ کے نشیب وفراز میں نہ یہ کہ صرف رہنمائی ملتی ہے؛ بلکہ اس سے سماج کو حرکت، حرارت اور خصوصی قوت بھی نصیب ہوتی ہے۔ زمانے کی تبدیلی، احوال کے فرق، ضرورتوں اور حاجات وتقاضوں کے تحت آنے والے نت نئے اور پیچیدہ مسائل کو علماء کرام نے شبانہ روز محنت اور اپنے فہم وادراک کا صحیح استعمال کرتے ہوئے فقہی اصول وقواعد کی روشنی میں حل کیا ہے، ان حضرات کی محنتوں اور کاوشوں کی جتنی پذیرائی کی جائے کم ہے۔

ماضی قریب کے بالغ نظر، محدث، فقیہ، متکلم، جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ ابوالحسنات عبدالحئ لکھنوی فرنگی محلی (۱۸۴۸ء، ۱۸۸۶ء) اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، جن کی فقیہانہ شان بے مثال ہے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتے، زیر نظر رسالہ جو قارئین کے سامنے ہے ان کے علمی تبحر اور فقہی گہرائی وگیرائی کا ایک نادر نمونہ ہے، اس میں مسائل کا احاطہ اور فقہاء کی علتوں پر ایسی بحث کی ہے کہ تحقیق کے دریا بہا دئے ہیں، اس رسالے کو فقہی تحقیقات کے باب میں شاہ کار تصانیف کا درجہ حاصل ہونا چاہئے۔

یہ رسالہ ''تحفة النبلاء في جماعة النساء'' کے عنوان سے ہے جس میں تنہا عورتوں کی جماعت کے تعلق سے تفصیلی وتحقیقی گفتگو کی گئی ہے، نماز ایک ایسی عبادت ہے

جوفرد کے ذاتی تعلق کو خدا سے مضبوط کرتی ہے، لیکن جب اسی عبادت کو جماعت کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے تو اس میں ایک الگ ہی برکت اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اسلام میں نماز باجماعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، اسے شعائر اسلام میں سے قرار دیا گیا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی تاکید کے ساتھ ترک پر سخت ناگواری کا اظہار فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اسے سنت مؤکدہ قریب واجب قرار دیا ہے۔

لیکن جماعت کی فضیلت و تاکید مردوں کے لیے ہے، عورتوں کا تنہا نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاتون نے آپ کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے لیے گھر کی بند کوٹھری میں نماز پڑھنا میرے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے افضل ہے جب کہ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے تعلق سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے نہیں آتے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے جماعت کی وہ تاکید نہیں ہے؛ تاہم اگر عورتیں گھروں میں جماعت سے نماز پڑھنا چاہیں اور جماعت کی روحانی برکات سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ ہمیں نصوص میں کچھ واقعات ایسے ضرور مل جاتے ہیں جن میں ہے کہ بعض ازواج مطہرات نے عورتوں کی امامت کی ہے، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عورتوں کی امامت کرنا ثابت ہے اس طرح حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت پڑھنے کی اجازت دی تھی؛ تاہم عہد نبوی میں بھی اس کا عمومی ماحول نہیں تھا، بعد کے ادوار میں حضرات فقہاء نے تنہا عورتوں کی جماعت کو مکروہ قرار دیا اور باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں فقہاء احناف نے عورتوں کو درمیان میں

کھڑا ہونے کا مشورہ دیا۔

زیر نظر رسالہ اسی مسئلے کی تحقیق پر مشتمل ہے جس میں مصنف علامہ نے تنہا عورتوں کی جماعت کے تعلق سے نصوص کے استیعاب کے ساتھ حضرات فقہائے احناف کے دلائل کو پیش کرتے ہوئے اس کا محققانہ جائزہ لیا ہے، اور فقہاء احناف کی کراہت کے دلائل کے مختلف پہلوؤں سے جوابات دینے کی کوشش کی ہے، یہ رسالہ حضرت مصنف علامہ کے علمی تدقق کے ساتھ ساتھ فقہ کے طالب علموں کے لیے دلائل کے تجزیاتی مطالعے کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے، اس سے ایک طالب علم کا فقہی ذوق پروان چڑھتا ہے۔ اگرچہ مصنف نے دلائل کے تجزیہ میں کراہت سے انکار کرنے کی کوشش ہے؛ تاہم استحباب وغیرہ کا قول انہوں نے بھی اختیار نہیں کیا ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ کراہت تحریمی کی نفی ہوتی ہے۔

راقم الحروف نے اس رسالہ میں جو کاوشیں کی ہی وہ درج ذیل ہیں:

(۱) عربی سے اردو قالب میں تبدیلی۔

(۲) احادیث اور فقہی عبارتوں کی تخریج۔

(۳) اصل کتاب کے متون کا اندراج۔

(۴) عناوین کا اندراج۔

(۵) مآخذ کا تعارف۔

(۶) تفہیم مسئلہ کے لیے ضمیمہ کا اضافہ (جس میں مختلف اکابر علماء وفقہاء دیوبند کی آراء کو پیش کیا گیا ہے)۔

جس کی وجہ سے نہ صرف رسالہ سے استفادہ آسان ہوا ہے بلکہ اس نے مستقل تصنیف کی حیثیت لے اختیار کر لی ہے۔ ''**وللّٰہ الحمد**''

چوں کہ رسالہ صرف ایک مسئلے پر مشتمل ہے اور وہ بھی مصنف کے خاص نقطہ نظر کا

عکاس ہے، اس لیے ضروری سمجھا گیا ہے کہ خواتین کی جماعت کے حوالے سے مزید چند پہلوؤں کا اضافہ کر دیا جائے خاص طور پر وہ مسائل جن کی آج شدید ضرورت ہے، اس لیے خواتین کا خواتین کی امامت کرنا، خواتین کا مردوں کی امامت کرنا، مردوں کا گھروں میں عورتوں کی امامت کرنا اور خواتین کا مسجد میں نماز کے لیے جانا۔ ان چار عناوین کا رسالے کے اخیر میں ضمیمہ کے طور پر اضافہ کیا گیا ہے اور اس میں اپنی کوئی نئی تحقیق نہ پیش کرتے ہوئے موجودہ دور کے متداول اصحاب فتاوی کی آراء نقل کرنے اور اسی کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اس میں اردو فتاویٰ سے حضرات مفتیان کرام کی آرا کو باحوالہ نقل کیا گیا ہے، اس کے ذریعے نفس مسئلہ کو سمجھنے کے ساتھ اس کے متعلقات کو بھی سمجھنا آسان ہوگا۔

یہ اس ناچیز کی پہلی علمی کاوش ہے جس میں خطاء ونسیان اور علمی کمزوریاں کا قوی امکان ہے حضرات اہل علم سے امید ہے کہ غلطیوں سے آگاہ کریں گے تاکہ آئندہ اس کی تصحیح کی جا سکے۔ اس خوشی کے موقع پر اپنی مربی وکرم فرماں دارالعلوم وقف دیوبند کی علمی سرگرمیوں کے روح رواں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے نہ صرف مجھ جیسے طالب علم کو یہ موقع فراہم کیا؛ بلکہ ان کاموں کی حوصلہ افزائی ونگرانی فرمائی اور اس کو اشاعت کے لیے منظوری عنایت فرمائی، اسی طرح بصد احترام اپنے مربی اور فقہ فتاوی میں قلمی نوک و پلک سنوارنے والے شفیق ومہرباں استاذ حضرت مولانا مفتی امانت علی صاحب قاسمی استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس پورے مرحلے میں میری نگرانی اور رہنمائی فرمائی، زبان وبیان کی درستگی کی ہر ممکن کوشش کی رسالہ کے ایک ایک حرف کو پڑھا اور اس کی ترتیب وتزئین اس کے مباحث کی تفہیم اور اس کی تخریج کی نشاندہی کی۔ اسی طرح اپنے محسن استاذ حضرت مولانا مفتی محمد

نوشاد نوری صاحب قاسمی استاذ عربی ادب دار العلوم وقف دیوبند کا شکریہ ادکرتا ہوں جنہوں نے رسالہ پرنظر ثانی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا، اپنے شفیق استاذ مولانا ومفتی محمد حسنین ارشد صاحب قاسمی کا ممنون ہوں کہ آپ نے رسالہ پرنظر فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی اوران تمام محسنین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے رسالہ کی تزئین وترتیب، تحقیق وتدقیق میں ادنیٰ سی بھی کاوش کی ہے۔

اخیر میں جملہ اساتذہ اور مخلصین احباب کا شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں کے طفیل یہ رسالہ آج آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور ذخیرہ آخرت بنائے۔

آمین یا رب العالمین

محمد شمس قمر
تخصص فی الافتاء (سال دوم)
دارالعلوم وقف دیوبند
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ

فخر الہند علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحئ لکھنویؒ

مختصر تعارف

ولادت:

جامع المنقول والمعقول علامہ عبدالحئ فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے ''التعلیق الممجد'' کے مقدمہ میں اپنی مختصر سوانح لکھتے ہوئے صراحت کی ہے کہ ان کی ولادت باسعادت ۲۶/ذی قعدہ بروز سہ شنبہ (منگل) ۱۲۶۴ھ کو باندہ کے علاقے میں ہوئی، جہاں ان کے والد مدرسہ امیر نواب ذوالفقار الدولہ میں استاذ تھے۔[۱]

نام اور سلسلہ نسب:

علامہ لکھنوی نے اپنی متعدد کتب کے تراجم میں خود وضاحت فرمائی ہے کہ: میری پیدائش کے ساتویں دن والد محترم نے میرا نام ''عبدالحئ'' رکھا، اور سن بلوغ کے بعد میرے والد صاحب نے میری کنیت ''ابوالحسنات'' رکھی۔[۲] آپ کے والد محترم کا اسم گرامی عبد الحلیم انصاری ہے اور پورا سلسلہ نسب اس طرح ہے: ''عبدالحئ بن عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن ابوالرحم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن محمد سعید بن شہید قطب الدین انصاری سہالوی''، اور یہ سلسلہ نسب صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

---

(۱) عبد الحي اللكنوي، مقدمة السعاية: ص:۴۱، ط: دار السنة و السيرة بومبائی؛ عبد الحي اللكنوي، التعليق الممجد: ج۱، ص:۱۱، دار القلم دمشق.

(۲) النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير: ص:۶۰، ط: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی باكستان.

فرنگی محل کی طرف نسبت:

''النافع الکبیر'' میں علامہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ: ہمارے آباء واجداد ''مدینہ منورہ'' سے ''ہرات'' گئے، وہاں سے دہلی آئے، دہلی سے لکھنؤ کے ''سہال'' نامی قصبہ میں منتقل ہوئے، پھر شہر لکھنؤ کے ایک محلّہ ''فرنگی محل'' میں آکر آباد ہوئے۔ (۱)

شیخ الطاف الرحمٰن صاحب ''احوال علماء فرنگی محل'' میں فرنگی محل کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم بادشاہوں کے دور کا یہ ضابطہ تھا کہ جو لوگ دار الحرب سے آکر مسلم علاقوں میں تجارت کرتے تھے، انھیں ایک مدت تک اجازت ملتی تھی، مدت ختم ہونے کے بعد جب وہ واپس ہوتے تو تمام جائیداد غیر منقولہ سرکاری خزانے میں منتقل ہو جاتیں، چناں چہ ایک مرتبہ ایک فرانسیسی تاجر بغرض تجارت لکھنؤ آیا اور ایک مکان اپنے لیے بنوایا، مدت ختم ہونے کے بعد وہ چلا گیا اور مکان سرکاری خزانے میں منتقل ہو گیا، یہ مکان اگر چہ محلّہ ''چراغ بیگ'' میں واقع تھا، لیکن مشہور حویلی ''فرنگی'' کے متصل تھا، جسے عوام ''فرنگی محل'' کہتی تھی، بعد میں اسے اس نام سے اتنی شہرت حاصل ہوتی گئی کہ محلّہ کا نام بھی فرنگی محل ہو گیا۔ (۲) اس مبارک و باسعادت محلے میں بہت سے فقہاء، محدثین، مفسرین، اہل لغت، مناطقہ، فلاسفہ اور دیگر علوم کے ماہرین پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

اللہ نے آپ کو علم دوست اور دینی وعلمی گھرانے میں پیدا فرمایا اور اسی دینی ماحول میں اپنے والد کے زیر سایہ تربیت پائی، بچپن ہی سے تحصیل علم کا آغاز کر دیا، اپنا علمی سفر بیان کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں: بچپن ہی سے میرا حافظہ بہت مضبوط تھا، مجھے بچپن کی باتیں اس طرح یاد ہیں جیسے میں نے ابھی دیکھی ہوں حتی کہ تین سال کی عمر کے بھی بعض واقعات

(۱) حوالہ سابق.
(۲) احوال علماء فرنگی محل: ص: ۱۱.

مجھے یاد ہیں، پانچ سال کی عمر میں حافظ قاسم علی لکھنوی کے پاس حفظ قرآن شروع کیا، ابھی پارہ ''عم یتساء لون'' مکمل نہیں ہوا تھا کہ والدین کے ساتھ جونپور جانا پڑا، وہاں میں نے حافظ ابراہیم کے پاس قرآن پڑھا، اس دوران فارسی کی بعض کتابیں پڑھیں، لکھنا سیکھا، اور تکمیل حفظ کے وقت میری عمر دس سال تھی۔

پھر گیارہ سال کی عمر سے علوم وفنون کی کتابیں پڑھنی شروع کیں اور سترہ سال کی عمر میں ہی تمام درسی کتابیں نحو، صرف، معانی، بیان، حکمت، طب، فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر اور علم کلام وغیرہ پڑھ کر فارغ ہو گیا، یہ تمام کتابیں میں نے والد صاحب سے پڑھیں؛ البتہ والد محترم کے انتقال کے بعد علم ریاضی والد صاحب کے ماموں اور ان کے استاذ مولانا محمد نعمت اللہ صاحب سے پڑھی اور حساب والد صاحب کے شاگرد رشید، ان کے سفر وحضر کے رفیق مولوی محمد خادم حسین مظفر پوری سے سیکھا۔ چوں کہ بچپن ہی سے مجھے درس وتدریس اور تصنیف تالیف سے بڑی دلچسپی تھی، اس لیے میں جو کتاب بھی پڑھتا، اسے پڑھاتا بھی تھا، اس طرح مجھے تمام علوم میں پختگی حاصل ہوگئی اور کسی بھی فن کی کتاب میرے لیے مشکل نہیں رہی۔[1]

علمی انہماک:

جس شخصیت نے سترہ سال کی عمر میں حفظ قرآن کے ساتھ تمام درسی کتب نحو وصرف، فلسفہ ومنطق، حکمت وطب، تفسیر وفقہ اور علم حدیث وغیرہ مکمل کر لی ہو اور ۳۹/ سال کے مختصر عرصہ میں مختلف موضوعات پر بے نظیر کتابیں تصنیف کی ہو، اس کا علمی انہماک یقیناً قابل قدر اور لائق درس وتقلید ہوگا؛ چناں چہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمہ اللہ ''آداب المتعلمین'' میں علامہ عبدالحئ لکھنوی کے علمی انہماک کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) عبد الحي اللكنوي، مقدمة السعاية: ص: ۴۱، ط: دار السنة و السيرة بومبائی.

''حضرت مولانا عبدالحئ فرنگی محلی رحمہ اللہ ایک روز کمرے میں مطالعہ کررہے تھے کہ دوران مطالعہ پانی طلب کیا، ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تشریف فرما تھے، ان کو فکر ہوئی کہ مطالعہ کے درمیان ذہن کسی اور طرف کیسے گیا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ پڑھے گا، حکم دیا کہ بجائے پانی کے ارنڈی کا تیل جو وہاں رکھا تھا دے دیا جائے، مولانا عبدالحئ صاحب نے گلاس منھ میں لگایا اور تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی، اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہو گئے، ان کے والد کی فکر دور ہوئی اور کہا امید ہے کہ پڑھ لے گا، والد صاحب چوں کہ بہت بڑے طبیب تھے اس لیے صاحب زادے کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کیا''۔[1]

علامہ لکھنوی کی علمی وسعت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو نحو، صرف، منطق وفلسفہ، جدل ومناظرہ، تاریخ وتراجم، معانی وبیان، حکمت وطب، تفسیر، اصول تفسیر علم کلام بالخصوص فقہ واصول فقہ، حدیث واصول حدیث میں بڑی مہارت اور مکمل دسترس عطا فرمائی تھی، جس موضوع پر بھی آپ نے قلم اٹھایا، اس کا حق ادا کر دیا، خوب سیر حاصل بحث کی اور موضوع کو کہیں سے بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ ویسے ہر موضوع پر آپ کی کوئی نہ کوئی دلچسپ اور شاہ کار تصنیف ہے، لیکن سب سے زیادہ فقہ سے متعلق تصانیف اور حواشی ہیں اور ہر کتاب ایک نایاب گوہر اور اپنے موضوع پر نادر وکمیاب ہے۔ ان کی کتب اور رسائل کا مطالعہ کرنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ اس وقت نہ تو کمپیوٹر، نہ موبائل اور نہ انٹرنیٹ کا زمانہ تھا اور نہ ہی کتب خانوں میں بآسانی کتابیں دستیاب تھیں، اکثر کتابیں غیر مطبوعہ اور مخطوطات کی شکل میں تھیں، ان سب

(۱) قاری صدیق احمد، آداب المتعلمین: ص: ۴۰، ط: مکتبة حکیم الامت سهارنپور الهند.

کے باوجود بکثرت ایسی نادر اور کمیاب کتابوں کے حوالے ہیں جن کا دستیاب ہونا آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی مشکل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پوری دنیا سے کتابوں کا ذخیرہ اکٹھا کر رکھا تھا۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں:

علامہ عبدالحي لکھنوی کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا اس بات کے اعتراف پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ واضح کامل علمی تصنیفات ہیں جو فیصلہ کن نادر حوالوں اور مسئلہ باب کے ہر ہر جزئیہ کے استیعاب سے مزین ومرصع ہیں گویا انھوں نے ساری عمر اسی زیر بحث موضوع میں کھپادی۔ (۱)

علمی تصانیف:

علامہ لکھنوی کا شمار کثیر التصانیف علماء میں ہوتا ہے؛ اس لیے کہ آپ نے ۳۹ رسال کی مختصر مدت میں سو سے زائد شاہکار علمی رسائل اور کتابیں تحریر فرمائیں، یقیناً یہ قابل قدر کارنامہ ہے کہ جس عمر میں لوگوں کا علم پختہ ہونا شروع ہوتا ہے اور علمی تحریریں معرض وجود میں آنا شروع ہوتی ہیں، اس عمر میں آپ نے اتنی کتابیں تصنیف فرمائیں!

آپ کی تصانیف کے سلسلے میں سوانح نگاروں اور حالات قلمبند کرنے والے علماء کی مختلف آراء ہیں، علامہ لکھنوئی نے خود ''سعایہ'' اور ''التعلیق الممجد'' کے مقدمہ وغیرہ میں اپنی ۶۰ رسے زائد تصانیف کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ اس کے علاوہ بکثرت حاشیے اور کتابیں ابھی زیر تصنیف ہیں۔ (۲)

معلوم ہوا کہ اور بھی بکثرت تصانیف ہیں، چناں چہ مولانا عبدالحئ حسنی نے ''نزہۃ

---

(۱) مقدمة التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة :ص:۱۱۴،ط: مكتب المطبوعات الاسلامية حلب سوريا.

(۲) عبد الحي اللكنوي ،مقدمة السعاية :ص:۴۲،ط:دار السنة و السيرة بومبائی؛ التعليق الممجد: ج۱،ص:۱۱۰،۱۱۱،دار القلم دمشق.

الخواطر''[۱] میں ۹۰/ کتب، آپ کے ایک شاگرد محمد حفیظ اللہ بندوی صاحب نے ''کنز البرکات''[۲] میں ۹۴/ کتب، ایک دوسرے شاگرد محمد عبدالباقی صاحب نے ''تکملۃ خیر العمل''[۳] میں ۱۱۲/ کتب، مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی نے ''تذکرہ علماء فرنگی محل''[۴] میں ۱۰۹/ کتب اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں حسنی ندوی نے ''المسلمون فی الہند'' میں ۱۱۰/ کتب کا تذکرہ کیا ہے، جب کہ علامہ لکھنوی کے مداح اوران کی متعدد کتب اور رسائل پر تحقیقی کام کرنے والے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ''سباحة الفكر في الجهر بالذكر''[۵] کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ علامہ لکھنوی علیہ الرحمہ کی تصانیف تقریباً ۱۱۵/ ہیں۔ اور ''الرفع والتكميل في الجرح والتعديل''[۶] کے مقدمہ میں علامہ لکھنوی کے حوالے سے نام بنام ۱۰۷/ کتابوں کو ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر ولی الدین ندوی نے اپنی کتاب ''علامہ عبدالحئ لکھنوی فرنگی محل حیات وخدمات''[۷] میں ۱۱۹/ مؤلفات نام بنام ذکر کی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے متجاوز ہے اور صرف حدیث وفقہ

---

(۱)نزهة الخواطر: ج۸،ص:۲۳۷؛بحوالة الامام عبد الحئ اللكنوى للدكتور ولي الدين الندوي:ص:۱۶۱،ط: دار القلم دمشق.

(۲)كنز البركات :ص:۲۱؛بحوالة الإمام عبد الحئ اللكنوى للدكتور ولى الدين الندوي: ص:۱۶۱،ط: دار القلم دمشق.

(۳)تكملة خير العمل بذكر علماء فرنكي محل: ص: ۴۲؛ بحوالة الإمام عبد الحئ اللكنوى للدكتور ولى الدين الندوى:ص:۱۶۱،ط: دار القلم دمشق.

(۴)تذكره علماء فرنكى محل:ص:۱۳۴،ط: اشاعة العلوم فرنكى محل لكهنؤ.

(۵)مقدمة سباحة الفكر في الجهر بالذكر :ص:۵،ط: دار السلام للطباعة و النشر و التوزيع و الترجمة مصر.

(۶)مقدمة الرفع و التكميل في الجرح و التعديل:ص:۲۲،ط:شركة دار البشائر الاسلامية بيروت.

(۷)الإمام عبد الحئى اللكنوى:ص:۱۶۵،ط: دار القلم دمشق.

کے موضوعات پر تصانیف کی تعداد پچاس سے زائد ہے،[1] اختلاف کا بظاہر سبب یہ ہے کہ علامہ لکھنوی نے خود اپنے احوال میں بہت ساری تصانیف کا تذکرہ نہیں کیا؛ کیوں کہ بہت ساری کتابیں زیر تصنیف تھیں، معرض وجود میں نہیں آئی تھیں، اسی طرح بہت ساری کتابوں تک سوانح نگار حضرات کی بھی رسائی نہیں ہوسکی، اس لیے ہر ایک نے اپنی اپنی تحقیق کے اعتبار سے تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

چار شاہکار مؤلفات:

مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی ''تذکرہ علماء فرنگی محل'' میں علامہ لکھنوی کی تصانیف کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ان تالیفات کے بارے میں صرف اس قدر لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر مولانا کی کوئی اور تصنیف نہ ہوتی اور صرف چار کتابیں آپ کی مؤلفہ ہمارے ہاتھ میں ہوتیں، تب بھی مولانا کی عظمت شان اور مرتبہ علمی جاننے کے لیے کافی تھیں۔ یہ چار کتابیں چار فنون مختلفہ کی ہیں:

ایک: ''مصباح الدجیٰ'' یعنی حاشیہ غلام یحیٰ پر میر زاہد رسالہ کا مبسوط حاشیہ جو مولانا کی وسعت نظر اور قوت علمی اور منطق میں بے مثل محقق ہونے کا گواہ ناطق ہے۔

دوسرے: ''سعایہ'' یعنی شرح وقایہ کا حامل المتن حاشیہ: امیر اتقانی نے حاشیہ ہدایہ کے متعلق جو کچھ اپنے قلم سے لکھا ہے وہ سب مولانا کی اس کتاب کے متعلق کہا جاسکتا ہے اور صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے۔ اگر اس کتاب کو علامہ صدر الشریعہ دیکھتے تو وہ مولانا کے ہاتھوں کو محبت سے چوم لیتے، اگر یہ کتاب تمام ہو جاتی تو یقیناً علماء زمانہ ''البحر الرائق'' اور ''فتح القدیر'' کو بھول جاتے۔

تیسرے: ''موطا امام محمد'' کا مبسوط حاشیہ یعنی ''التعلیق الممجد'': اس حاشیہ کی کیا تعریف کی جائے سوائے اس کے کہ علماء متاخرین میں اس کی کوئی نظیر ''عمدۃ القاری''

---

(۱) ماہنامہ بینات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن مارچ ۲۰۱۶ء ۱۴۳۷ھ مفتی محمد رضا انصاری: قسط:۱۔

کے بعد نہیں ہوئی۔ (بحث صرف محققانہ تحریر سے ہے) اور بے تعصبی اور ''الحق احق بالاتباع'' کے اعتبار سے کسی آخری دور کے عالم کا آپ سے مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھے: ''ظفر الامانی'': اصول حدیث میں بے مثل رسالہ ہے جو گورسالہ سید شریف کی شرح ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ خود ایک مستقل تالیف ہے اور اس کے بعد مقدمہ ابن الصلاح کی بھی ضرورت طالبان علم کے لیے باقی نہیں رہتی۔ (۱)

علامہ لکھنوی کا مسلک:

علماء نے صراحت کی ہے اور خود علامہ عبد الحي لکھنوی علیہ الرحمہ کے رسائل اور کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ اصولا اور فروعا مسلک احناف کے پابند تھے، چناں چہ انھوں نے احناف کی متعدد کتب فقہ پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے، فقہ حنفی کے مطابق متعدد کتب اور رسائل لکھے ہیں اور اپنے فتاوی بھی فقہ حنفی کے مطابق صادر کیے ہیں، جن کا مجموعہ کئی جلدوں میں شائع ہوا ہے، مزید یہ کہ وہ خود اپنے ایک رسالہ ''القول المنشور في هلال خير الشهور'' میں اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اللكنوي وطناً، الأنصاري الأيوبي القطبي نسباً، الحنفي مذهباً و مشرباً'' وطن کے اعتبار سے لکھنوی، نسب کے اعتبار سے ایوبی قطبی اور مسلک ومشرب کے اعتبار سے حنفی۔ (۲)

البتہ وہ مقلد محض نہیں تھے، ان کی تحقیق اگر قرآن وحدیث کی روشنی میں کسی مسئلہ میں احناف کے خلاف ہوتی، تو دوسری رائے اختیار کر لیتے، ان کے معاصر اور ہم نام علامہ عبد الحئ حسنی لکھتے ہیں: علامہ لکھنوی اصول وفروع میں مسلک احناف کے پابند تھے؛ لیکن متعصب اور متشدد نہ تھے، دلیل کا اتباع کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں خلاف مسلک کوئی صریح

---

(۱) تذکرۃ علماء فرنگی محل: ص: ۱۳۵، ط: اشاعۃ العلوم فرنگی محل لکھنؤ۔

(۲) عبد الحي اللكنوي، القول المنشور في هلال خير الشهور: ص: ۳، ط: ادارة القرآن كراتشي.

نص پاتے تو تقلید نہ کرتے۔[۱]

خود علامہ لکھنوی نے بھی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

ومن منحه على رزقت التوجه إلى فن الحديث وفقه الحديث لا أعتمد على مسئلة مالم يوجد أصلها من حديث أو آية، وما كان خلاف الحديث الصحيح الصريح أتركه، وأظن المجتهد فيه معذورا؛ بل مأجورا. ومن منحه أنه جعلني سالكا بين الإفراط والتفريط، لا تأتي مسئلة معركة الآراء بين يدي إلا ألهمت الطريق الوسط فيها، ولست ممن يختار طريق التقليد البحث بحيث لا يترك قول الفقهاء وإن خالفته الأدلة الشرعية، ولا ممن يطعن عليهم ويجهر الفقه بالكلية.[۲]

ترجمہ:

اللہ کا مجھ پر انعام ہے کہ اس نے مجھے فن فقہ وحدیث میں رہنمائی عطا فرمائی ہے، میں کسی مسئلہ پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک اس کی اصل قرآن یا حدیث میں موجود نہ ہو، جو مسئلہ حدیث صریح کے خلاف ہوتا ہے میں اسے چھوڑ دیتا ہوں اور مجتہد کو معذور؛ بلکہ قابل ثواب سمجھتا ہوں اور اللہ کا مجھ پر ایک انعام یہ بھی ہے کہ اس نے مجھے افراط وتفریط کے درمیان معتدل مزاج والا بنایا، کوئی بھی معرکۃ الآراء مسئلہ میرے سامنے آتا ہے، تو مجھے اعتدال کا راستہ الہام کیا جاتا ہے، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خالص تقلید کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور دلیل شرعی کے خلاف بھی فقہاء کا قول نہیں چھوڑتے اور نہ ان لوگوں

---

(۱)عبد الحي حسني، نزهة الخواطر :ج۸،ص:۲۳۵؛بحوالة الإمام عبد الحئ اللكنوي للدكتور ولي الدين الندوي:ص:۱۶۱،ط:دار القلم دمشق.

(۲)عبد الحي اللكنوي ،النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير :ص:۶۵،ط:إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي باكستان.

میں سے ہوں جو فقہاء کو برا بھلا کہتے ہیں اور فقہ کو بالکلیہ چھوڑ دیتے ہیں۔

علامہ لکھنوی کے بعض تفردات:

بعض مسائل میں علامہ لکھنوی نے احناف کے خلاف رائے اختیار کی ہے، جنھیں ان کے تفردات میں شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) احناف کے خلاف رفع یدین۔[۱]

(۲) آمین بالجہر کو راجح قرار دینا۔[۲]

(۳) عقیقہ کو مباح کے بجائے مسنون اور مستحب کہنا۔[۳]

(۴) اقل مہر کو مطلق رکھنا (دس درہم کی تعیین نہ کرنا)۔[۴]

(۵) سفر، بارش یا کسی عذر کی صورت میں دو نمازوں کو جمع کرنا۔[۵]

(۶) سورۂ حج میں دو آیت سجدہ کا ہونا۔[۶]

(۷) نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا۔[۷]

(۸) حالت احرام میں نکاح کا ممنوع ہونا۔[۸]

(۹) کانوں کے مسح سے پہلے سر کے ساتھ ہی گردن کا مسح کرنا، وہ بھی الٹے ہاتھ کے بجائے سیدھے ہاتھ سے گردن کا مسح کرنا۔[۹]

(۱۰) شرمگاہ چھونے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔[۱۰]

---

(۱) عبد الحي اللكنوي، التعليق الممجد على مؤطا إمام محمد، "باب افتتاح الصلوة": ج۱، ص: ۳۸۸، دار القلم دمشق.

(۲) أيضا: ج۱، ص: ۴۴۵.

(۳) أيضا: ج۲، ص: ۶۵۶.

(۴) أيضا: ج۲، ص: ۴۵۴.

(۵) أيضا: ج۱، ص: ۵۷۰.

(۶) أيضا: ج۲، ص: ۲۴.

(۷) أيضا: ج۲، ص: ۱۱۲.

(۸) أيضا: ج۲، ص: ۳۲۳.

(۹) عبد الحي اللكنوي، السعاية: ص: ۱۷۸، ط: دار السنة و السيرة بومبائي.

(۱۰) أيضاً: ص: ۲۶۷.

''تلک عشرہ کاملة'' یہ دس مسائل ذکر کیے گئے ہیں جن میں علامہ لکھنوی علیہ الرحمہ نے احناف کے خلاف موقف اختیار کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی متعدد مسائل ہیں جن میں علامہ لکھنوی نے اختلاف کیا ہے۔

وفات:

والد ماجد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی وفات سے قبل حیدرآباد دکن کے مدرسہ نظامیہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، ان کی وفات کے بعد علامہ لکھنوی حیدرآباد سے اپنے وطن تشریف لے آئے اور وہیں مستقل رہ کر علمی خدمات شروع کر دیں اور اس قدر محنت کی کہ صحت خراب ہوگئی اور مستقل بیمار رہنے لگے، جب بھی کچھ افاقہ ہوتا علمی کام میں مشغول ہو جاتے جس سے طبیعت مزید بگڑ جاتی۔ ۱۳۳۰ھ کے وسط میں کھانسی، دمہ اور بیہوشی کا مرض شروع ہو گیا اور غشی کے دورے پڑنے لگے، ماہر ڈاکٹروں کے علاج سے بھی افاقہ نہیں ہوا، بالآخر ۳/ اور بعض کے بقول ۲۹/ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۱۳۰۴ھ کو نصف شب کے قریب غشی کا دورہ شرع ہوا اور دو مرتبہ افاقہ بھی ہو گیا، لیکن تیسری مرتبہ کے دورہ میں یہ آفتاب علم و ماہتاب، فخر الہند اور علوم فقہ وحدیث کا بحر بیکراں محض ۳۹/ سال کے قلیل عرصے میں اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون)

انتقال کے بعد محبین اور عوام الناس کا سیلاب امڈ پڑا، اس لیے باری باری تین علماء: مولانا عبدالرزاق صاحب لکھنوی، مولانا عبدالوہاب صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین آبائی قبرستان ''باغ انوار الحق'' میں ہوئی۔

مقدمة المؤلف

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے علماء کو انبیاء کا وارث بنا کر ان کی فضیلت میں اضافہ کیا، ان کے درجات بلند کیے، ان کے ثواب میں کئی گنا اضافہ کیا، اور ان کو بڑے اجر سے نوازا۔ اور اپنے نبی سے وعدہ کیا کہ اس کی امت میں ہر سو سال پر ایک مجدد[1] کو بھیجے گا جو روشن دلائل سے حق کو واضح کرے گا اور باطل کو مٹائے گا۔ وہ پاک ہے، اس کی شان کتنی عظیم ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ کوئی اس کی ضد ہے اور نہ کوئی اس کا مقابل ہے۔ اور درود بھیجتا ہوں

---

(۱) اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ہر سو سال کے آخر میں اس امت کے لیے ایک شخص کو مبعوث کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ امام احمد بن حنبل اور دیگر اکابرین نے کہا کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے، اور دوسری صدی کے محمد بن ادریس الشافعی۔ میں چالیس سال سے اپنی نمازوں میں ان کے لیے دعا کر رہا ہوں۔ شیخ محمد بن الحسین سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اپنے اصحاب سے سنا، اور اسی طرح شیخ امام ابوالحسین بن مسلم السلمی نے دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر فرمایا لیکن اس کا اضافہ کیا کہ تیسری صدی کے مجدد ابوالحسن بن اسماعیل الاشعری تھے، چوتھی صدی کے قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی، اور پانچویں صدی کے مجدد مسترشد باللہ امیر المومنین تھے۔ یہ زیادہ درست ہے بہ نسبت اس قول کے کہ تیسری صدی کے مجدد ابوالعباس حمد بن عمر شریح تھے اور چوتھی صدی کے ابوالطیب سہل بن محمد بن سلیمان الصعلوکی النیسا پوری تھے۔ البتہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ پانچویں صدی کے مجدد ابو حامد الغزالی تھے، نہ کہ المسترشد باللہ۔ چھٹی صدی کے مجدد امام رازی تھے، ساتویں صدی کے ابن دقیق العید، آٹھویں صدی کے زین الدین العراقی، اور نویں صدی کے جلال الدین السیوطی۔ دسویں صدی کے شہاب الدین الرملی اور ملا علی قاری مکی تھے۔ (مولوی عبدالغفور صاحب منصور پوری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اہل وعیال اور اصحاب پر اور ان لوگوں پر جو نیک نیتی کے ساتھ قیامت کے دن تک آپ کی پیروی کرتے رہیں گے۔

حمد وصلاۃ کے بعد: اپنے قادر رب سے رحمت ومغفرت کا امیدوار ابوالحسنات محمد عبد الحئ لکھنوی الانصاری الحنفی'' کہتا ہے کہ یہ ایک دلچسپ، مختصر لیکن انتہائی اہم رسالہ ہے جس کا نام ''**تحفة النبلاء في جماعة النساء**'' ہے۔

میں نے اس کی تالیف ان دنوں کی جب میں نے اپنے ہم نشینوں کی زبان سے عورتوں کی پنج گانہ اور دیگر نمازوں میں تنہا جماعت کے متعلق تذکرہ سنا۔ میں اپنے رب کے فضل کی امید کرتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کو نیک لوگوں کی نظروں میں مقبول بنادے۔

یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں کچھ مباحث ہیں۔

پہلا باب

اس باب میں وہ روایتیں بیان ہوئی ہیں جس سے فرائض ونوافل میں عورتوں کی تنہا جماعت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور مقام قیام کی تعیین ہوتی ہے۔ (۱)

احادیث:

حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کا امامت کرنا:

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے: ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے وکیع بن جراح سے، انہوں نے ولید بن عبداللہ بن جمیع سے، انہوں نے اپنی دادی اور عبدالرحمٰن بن خلاد انصاری سے روایت کی، اور یہ روایت حضرت اُم ورقہ بنت نوفل سے ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کی تیاری کی تو حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہوجاؤں، تاکہ آپ کے بیماروں کی تیمارداری کروں، شاید اللہ مجھے شہادت عطا کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھر میں رہو! اللہ تمہیں شہادت عطا کرے گا۔ اس وجہ سے ان کا لقب ''شہیدہ'' پڑ گیا۔ وہ قرآن پڑھا کرتی تھیں۔ انہوں نے

---

(۱) یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو اضح طور پر اس بات کی رہنمائی کرتی ہے کہ خواتین کی جماعت اس طرح جائز ہے کہ ان میں سے ایک عورت امام ہو اور باقی سب مقتدی ہوں، اور یہ بغیر کراہت جائز ہے۔ نیز، ان کی امامت کی کیفیت کا ذکر ہے کہ جب خواتین جماعت کریں، تو کیا امام ان کے سامنے کھڑی ہوگی جیسے مردوں کی صفوں میں امام آگے ہوتا ہے یا امام درمیان میں کھڑی ہوگی؟ (محمد عبدالغفور رمضان پوری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ اپنے گھر میں مؤذن مقرر کریں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دیدی۔ حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام اور باندی کو آزاد کر دیا تھا۔ ایک رات ان دونوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو ایک کمبل میں لپیٹ کر قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے اعلان کیا: ''جو کوئی ان دونوں کے بارے میں کچھ جانتا ہو یا کسی نے انہیں دیکھا ہو وہ ان دونوں کو میرے پاس لائے'' چناں چہ ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں سولی دینے کا حکم دے دیا۔ مدینہ میں یہ پہلی سولی کی سزا تھی جو ان دونوں کو دی گئی تھی۔ (۱)

پھر امام ابو داؤد نے حسن بن حماد الحضر ی سے روایت کی، انہوں نے محمد بن فضیل سے، انہوں نے ولید سے، اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن خلاد سے اُم ورقہ بنت عبداللہ بن حارث کے بارے میں روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر جایا کرتے تھے اور ان کے لیے مؤذن مقرر کیا تھا، اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کریں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں: میں نے ان کے مؤذن کو دیکھا جو بوڑھا تھا۔

''عن أم ورقة بنت عبد اللّٰه بن الحارث بهذا الحديث والأول أتم قال وكان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يزورها في بيتها وجعل لها

(۱)عن أم ورقة بنت نوفل أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لما غزا بدرا قالت قلت له يا رسول اللّٰه ائذن لي في الغزو معک أمرض مرضاكم لعل اللّٰه أن يرزقني شهادة. قال قرى في بيتک فإن اللّٰه تعالٰى يرزقک الشهادة. قال فكانت تسمى الشهيدة. قال وكانت قد قرأت القرآن فاستأذنت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن تتخذ في دارها مؤذنا فأذن لها قال وكانت دبرت غلاما لها وجارية فقاما إليها بالليل فغماها بقطيفة لها حتى ماتت وذهبا فأصبح عمر فقام في الناس فقال من كان عنده من هذين علم أو من رآهما فليجيء بهما فأمر بهما فصلبا فكانا أول مصلوب بالمدينة. (أخرجه ابو داود، في سننه، ''باب إمامة النساء'': ج۱،ص:۲۳۰،رقم:۵۹۱،بيروت، دار الكتاب، العربی)

مؤذنا يؤذن لها وأمرها أن تؤم أهل دارها. قال عبد الرحمن فأنا رأيت مؤذنها شيخا كبيرا''[1]

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''**الاستيعاب في أخبار الأصحاب**''[2] میں لکھا کہ ام ورقہؓ[3] نے۔ جنگ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں جانے کی اجازت مانگی تا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی تیمارداری کرسکیں، اس امید پر کہ شاید اللہ شہادت نصیب کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: بیشک اللہ نے تمہارے لیے شہادت کا راستہ مہیا کر دیا ہے، اپنے گھر میں ٹھہری رہو، تم یقینی طور پر شہیدہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم بھی دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی نماز پڑھائیں، اور ان کے لیے ایک مؤذن مقرر کر دیا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کرتی تھیں یہاں تک کہ ان کے ایک غلام اور باندی نے ان کو قتل کر دیا جن کو انہوں نے مدبر کیا تھا۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں پیش آیا، جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی، تو انہوں نے لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے غلام اور باندی نے قتل کر دیا ہے، اور وہ دونوں فرار ہو گئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو پکڑنے کا حکم دیا، اور جب وہ گرفتار ہوئے، تو انہیں سولی دے دی گئی۔ اسلام کی آمد کے بعد مدینہ میں سولی دیے جانے والے یہ پہلے افراد تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچ فرماتے

---

(۱) اخرجه أبو داود في سننه، ''باب إمام النساء'' :بيروت، دار الكتاب العربي، ج۱، ص:۲۳۰، رقم:۵۹۲.

(۲) دراصل اس کتاب کا نام "**الاستيعاب في معرفة الاصحاب**" ہے شاید کتابت کی غلطی سے ایسا نقل ہو گیا ہے۔

(۳) الاستیعاب میں ذکر ہے کہ ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویمر انصاریہ تھیں یا وہ بنت نوفل تھیں اور اپنی کنیت سے مشہور تھیں۔ ان کے نسب کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ''شہیدہ'' کہتے تھے۔

تھے: چلو ہم شہیدہ کی زیارت کو چلیں۔ (۳)

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ''تلخیص الحبیر'' میں ام ورقہ کے مذکورہ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسے ابوداؤد، دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس میں ام ورقہ بنت نوفل کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کریں۔ وہ شہیدہ کہلاتی تھیں۔ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن

---

(۳) أم ورقة بنت نوفل. هي مشهورة بكنيتها، واضطراب أهل الخبر في نسبها، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزورها ويسميها الشهيدة، وكانت حين غزا رسول الله صلى الله عليه وسلم بدرا، قالت له: ائذن لي أن أخرج معكم. أداوي جرحاكم، لعل الله يهدى إلى الشهادة. فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله يهديك الشهادة، وقرى في بيتك، فإنك شهيدة، وكان النبي صلى الله عليه وسلم قد أمرها أن تؤم أهل دارها، وكان لها مؤذن، فكانت تؤم أهل دارها حتى غمها غلام لها وجارية، وقد كانت دبرتهما فقتلاها في خلافة عمر بن الخطاب، فبلغ ذلك عمر، فقام عمر في الناس، فقال: إن أم ورقة غمها غلامها وجاريتها فقتلاها وإنهما هربا، وأمر بطلبهما فأدركا، فأتى بهما فصلبها، فكانا أول مصلوبين بالمدينة. وقال: صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم حين كان يقول: انطلقوا بنا نزور الشهيدة. (ابن عبدالبر ،الاستيعاب في معرفة الأصحاب، (بيروت: دار الجيل، ط:۱، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲م): ج۴، ص:۱۹۶۵)

ابن اثیر جزری نے بھی اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور ام ورقہ کے نسب کے بارے میں اختلاف ذکر کیا ہے انہوں نے اس حدیث کو عبدالوہاب صوفی سے امام ابوداؤد کی سند سے بیان کیا ہے۔

أم ورقة بنت عبد الله بن الحارث بن عويمر الأنصارية. وقيل: أم ورقة بنت نوفل. وهي مشهورة بكنيتها، واختلفوا في نسبها. أخبرنا عبد الوهاب بن علي الصوفي بإسناده عن أبي دَاوُدَ :حدثنا عثمان بن أبي شيبة ،حدثنا وكيع ،حدثنا الوليد بن عبد الله بن جميع ، حدثتني جدتي وعبد الرحمن بن خلاد الأنصاري،عن أم ورقة بنت نوفل: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما غزا بدراً قالت له: ائذن لي فأخرج معك فأمرض مرضاكم، لعل الله أن يرزقني الشهادة. قال:قري في بيتك فإن الله يرزقك الشهادة. (ابن الاسير، أبوا لحسن، أسد الغابه في معرفة الصحابه، ''حرف الياء'' :(بيروت،دارالكتب العلميہ ،ط:۱، ۱۹۹۲م)، ج۱،ص:۱۴۶۷)

بن خلاد کا ذکر ہے جن کی حالت مجہول ہے۔[۱]

حدیث ام ورقہ رضی اللہ عنہا پر علامہ عینی کی شہادت:

علامہ عینی نے اپنی کتاب ''البنایۃ فی شرح الہدایۃ''[۲] میں لکھا ہے کہ صاحب الدرایہ کی یہ عبارت کہ ''حدیث ام ورقہ میں کچھ کلام ہے'' کا اشارہ اس طرف ہے جو منذری نے سنن ابوداؤد کے مختصر میں کہا کہ اس کی سند میں الولید بن جمیع ہے، اوران کے بارے میں کچھ کلام ہے۔لیکن اس کا کوئی نقصان نہیں؛ کیوں کہ امام مسلم نے ان سے روایت کی ہے، اوران کی عدالت وثقاہت کے لیے یہی کافی ہے۔اگر آپ کہیں کہ ابن بطال نے کہا ہے کہ الولید بن جمیع اور عبدالرحمٰن بن خلاد کی حالت معلوم نہیں، تو میں کہوں گا کہ ابن حبان نے انہیں اپنی کتاب ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔[۳]

---

(۱)روي أنه صلى الله عليه وسلم أمر أم ورقة أن تؤم أهل دارها أبو داود والدارقطنی والحاكم والبيهقي عن أم ورقة بنت نوفل أن النبي صلى الله عليه وسلم لما غزا بدرا قالت يا رسول الله ايذن لي في الغزو معک الحديث وفيه وأمرها أن تؤم أهل دارها وفيه قصة وأنها كانت تسمى الشهيدة وفي إسناده عبد الرحمن بن خلاد وفيه جهالة. (ابن حجر العسقلاني، التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، (مصر: مؤسسة قرطبة، ط:۱، ۱۹۹۵م): ج۲، ص:۵۷)

(۲)البنایہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''الہدایہ'' کی شرح ہے، اس کتاب کا پورا نام ''البنایہ فی شرح الہدایہ'' ہے، اس کے مصنف علامہ بدرالدین محمود بن قاضی ابن شہاب الدین احمد بن موسی العینی المصری حنفی متوفی ۸۵۵ھ ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی نے اس کتاب میں ہدایہ کے مشکل لغوی الفاظ، اصولی ترکیبات کی وضاحت کے ساتھ نقد وتوضیح کا کام کیا ہے، مختلف اصحاب مذاہب کے اقوال نقل کئے اور ان سے مروی روایات کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا، اور تمام مسائل کو دلائل سے مزین کرنے کے لیے اکثر مقام پر حافظ زیلعی کی کتاب ''نصب الرایہ'' پر اعتماد کیا، لیکن وسعت سے کام لیتے ہوئے نصب الرایہ کے مواد پر بھی اضافہ کیا اور ہر مسئلہ کے اختتام پر فروعی مسائل کا بھی اہتمام کیا جس سے یہ کتاب ایک ''جامع موسوعہ'' کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

(۳)وقوله:مع النساء في حديث أم ورقة مقالا،إشارة إلى .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

اور مستدرک میں امام ابوعبداللہ الحاکم نے ذکر کیا: ہمیں ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن الصفار نے روایت کیا، اور کہا کہ ہمیں احمد بن یونس الضبی نے حدیث سنائی، انہیں عبداللہ بن داؤد الخزینی نے حدیث سنائی، انہیں ولید بن جمیع نے لیلیٰ بنت مالک اور عبدالرحمن بن خالد انصاریہ کے حوالے سے حدیث سنائی، جو اُم ورقہ انصاریہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ''چلو، ہم شہیدہ کے پاس چلتے ہیں، تاکہ اس کی زیارت کریں۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے لیے اذان دی جائے، اقامت کہی جائے اور وہ اپنے گھر والوں کو فرائض میں امامت کریں۔ امام مسلم نے ولی بن جمیع سے حدیث کو دلیل بنایا ہے، اور یہ ایک عجیب سنت ہے، اور میں اس باب میں کوئی اور حدیث مسنداً نہیں جانتا۔ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ اذان دیتی تھیں، اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا امامت کرنا اور درمیان میں کھڑا ہونا:

امام مسلم کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالعباس محمد بن یعقوب نے حدیث بیان کی، کہا کہ مجھے احمد بن عبدالجبار نے حدیث سنائی، اور انہیں عبداللہ بن ادریس نے، اور انہیں لیث نے عطا سے، اور عطا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ وہ اذان دیتی تھیں، اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں، اور وہ ان کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔ (۱)

.....گذشتہ کا بقیہ.....ما قاله المنذری في ''مختصره'' لسنن أبي داود في سنده الوليد بن جميع وفيه مقال ولا يضره ذلک، فإن مسلما أخرج له وكفى هذا في عدالته وصدقه. فإن قلت: قد قال ابن بطال في كتابه: الوليد بن جميع، وعبد الرحمن بن خلاد لا يعرف حاليهما. قلت: ذكرهما ابن حبان في ''الثقات'' فالحديث إذا صحيح. (بدر الدين العيني، البنايه شرح الهدايه، (بيروت: دار الكتب العلميه. ط۱: ۲۰۰۰ء)، ج۲، ص: ۳۳۹)

(۱) أخبرنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الصفار، ثنا أحمد بن يونس الضبي، ثنا عبد الله بن داود الخريبي، ثنا الوليد بن جميع، عن ليلى بنت مالک، .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

محمد بن حسن نے اپنی کتاب ''الآثار''[۱] میں روایت کیا: ہمیں ابو حنیفہ نے حماد کے واسطے سے، انہوں نے ابراہیم سے خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینے میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔ حضرت امام محمد نے کہا:

''ہمیں پسند نہیں کہ عورت امامت کرے، لیکن اگر کرے تو عورتوں کے ساتھ صف میں درمیان میں کھڑی ہو، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ اور یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے''۔[۲]

ابن عدی نے ''الکامل''[۳] میں اور ''ابو الشیخ الاصبھانی'' نے ''کتاب الاذان'' میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورتوں پر نہ اذان ہے، نہ اقامت، نہ جمعہ، نہ غسل (جمعہ)، اور نہ عورتوں کی امامت ہے، لیکن وہ درمیان میں کھڑی ہوں۔

.....گذشتہ کا بقیہ.....وعبد الرحمن بن خالد الأنصاری، عن أم ورقة الأنصارية، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان، يقول: ''انطلقوا بنا إلى الشهيدة فنزورها'' وأمر أن يؤذن لها وتقام، وتؤم أهل دارها فی الفرائض. قد احتج مسلم بالوليد بن جميع وهذه سنة غريبة لا أعرف في الباب حديثا مسندا غير هذا. ''وقد روينا'' عن أم المؤمنين عائشة رضي الله عنها أنها كانت تؤذن، وتقيم، وتؤم النساء. (الحاكم،أبو عبد الله ،المستدرک على الصحيحين، (بيروت: دار الكتب العلميه، ط:۱، ۱۹۹۰ء) ج۱،ص:۳۲۰.

(۱) یہ کتاب میں امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ علیہ کی ہے، آپ نے اس میں احادیث سے زیادہ آثار کو جمع کیا ہے۔ غالبًا اسی وجہ سے آپ کی یہ تصنیف ''کتاب الآثار'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اس کتاب میں ایک سو چھ احادیث اور سات سو اٹھارہ آثار ہیں اس کے علاوہ اس میں آپ نے امام اعظمؒ کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔ (حاجی خلیفہ، کشف الظنون، بیروت: موسسۃ الفرقان)، ج۲،ص:۴۸۳۱.

(۲) عن أبيه عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن عائشة رضي الله عنها انها كانت تؤم النساء في رمضان تطوعا وتقوم في وسط الصف. (ابو یوسف، ''کتاب الآثار'' (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط: ۱۳۵۵ھ): ج۱،ص:۴۱.

(۳) الکامل لابن عدی کے نام سے جرح وتعدیل پر لکھی گئی کتاب ہے .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

علامہ عینی نے ''البنایہ'' میں عبداللہ بن حسن کی سند سے کہا ہے۔ ''ابن معین نے کہا: ''لیس بثقہ ولا مامون'' (نہ تو قابل اعتماد ہیں اور نہ ہی ان کی حدیث محفوظ ہے) بخاری نے کہا: محدثین نے ان کی حدیث نہیں لی ہے۔ نسائی نے کہا: وہ متروک الحدیث ہے۔ ابن جوزی نے اس حدیث کا اپنی کتاب ''التحقیق'' میں انکار کیا اور کہا: ''یہ مرفوع حدیث کے طور پر معروف نہیں، بلکہ یہ حسن بصری اور ابراہیم النخعی کا قول ہے۔''(۱)

عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف''(۲) میں روایت کی، اور ان کے واسطے سے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کی کہ ابوحازم نے رابطہ حنفیہ سے، اور رابطہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے عورتوں کی امامت کی اور فرض نماز میں ان کے درمیان کھڑی ہوئیں۔ ابن ابی شیبہ اور پھر حاکم نے عطا کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

.....گذشتہ کا بقیہ.....جس کے مؤلف ابواحمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد ابن مبارک بن القطان الجرجانی ہیں۔ اس کا مکمل نام الکامل فی الضعفاء ابن عدی ہے، یہ دو کتابوں کی تکمیل ہے ایک میزان الاعتدال فی نقد الرجال علامہ ذہبی اور دوسری لسان المیزان لابن حجر العسقلانی ان کی جرح وتعدیل پر تصانیف ہیں۔ ۳۶۰ھ مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی، دارالکتب العلمیہ نے بیروت، سے ۱۴۰۴ھ میں ۴/جلدوں میں شائع کیا یہ ۶۰/اجزاء پر مشتمل ہے۔ کتب جرح میں سب سے زیادہ جامع اور کامل کتاب ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

(۱) أخرج ابن عدی في ''الكامل'' وأبو الشيخ الأصبهاني في كتاب ''الأذان'' من حديث أسماء بنت أبي بكر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أن النبي عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قال: ليس على النساء أذان ولا إقامة ولا جمعة ولا اغتسال، ولا تقدمهن امرأة ولكن تقوم وسطهن. ''قلت: في سنده الحاكم بن عبد الله قال ابن معين: ليس بثقة ولا مأمون. وعن البخاري: تركوه، وعن النسائي: متروك الحديث، وكان ابن المبارك يوهنه، وأنكر ابن الجوزي هذا الحديث في كتابه ''التحقيق'' ولا يعرف مرفوعا إنما هو شيء يروى عن الحسن البصري وإبراهيم النخعي. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ،ج۲،ص:۳۳۹)

(۲) مصنف عبدالرزاق: ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیر ی الیمانی الصنعانی متوفی ۲۱۱ھ کی ہے، یہ کتاب جامع الکبیر اور جامع عبدالرزاق کے نام سے بھی معروف ہے۔ .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

روایت کی کہ وہ عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں۔

شافعی، ابن ابی شیبہ، اور عبدالرزاق نے ابن عیینہ سے، انہوں نے عمار دہنی سے، اور عمار نے اپنی قوم کی ایک عورت سے، جنہیں حجیرہ کہا جاتا تھا، اس نے ام سلمہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے عورتوں کی امامت کی اور ان کے درمیان کھڑی ہوئیں۔ عبدالرزاق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: **امتنا ام سلمة فی العصر فقامت بیننا**۔'' اور اسی طریق سے دارقطنی نے بھی روایت کی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے قتادہ کے واسطے سے اُم الحسن سے روایت کی کہ انہوں نے اُم سلمہ کو عورتوں کے ساتھ ان کی صف میں کھڑا دیکھا۔ یہ بات ابن حجر نے ''**التلخیص**'' میں ذکر کی ہے۔[1]

عبدالرزاق نے ابراہیم بن محمد سے، انہوں نے داود بن حصین سے، انہوں نے عکرمہ سے، اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا: عورت

.....گذشتہ کا بقیہ..... اہل سنت والجماعت کی احادیث کی مشہور کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا کہ روایت حدیث میں اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی تصانیف میں سے ایک ہے۔ احادیث کے اس مجموعہ کو مصنف کتاب نے فقہی ترتیب پر رکھی ہے، اس میں آپ نے ۳۱/مرکزی عنوان بنائے جس میں کئی ذیلی ابواب شامل کیے، پوری کتاب ۱۹۲۰/احادیث پر مشتمل ہے، اس کتاب کی انتہائی اہمیت کی وجہ سے حافظ الذہبی نے اس کو ''خزانۃ العلم'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں احادیث مرفوعہ مقطوعہ اور موقوفہ شامل ہیں، جو صحیح حسن اور ضعیف تینوں طرح کی احادیث پر مشتمل ہے۔ محدث شہیر علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی نے اس کی تحقیق فرمائی۔

(۱) **حدیث أم سلمة: أنها أمّت نساء فقامت وسطهن. ''الشافعي'' وابن أبي شيبة وعبد الرزاق ثلاثتهم، عن ابن عيينة، عن عمار الدهنی، عن امرأة من قومه يقال لها: حجيرة، عن أم سلمة: أنها أمّتهُنّ فقامت وسطاً. ولفظ عبد الرزاق: أمَّتْنَا أمّ سلمة فی صلاة العصر فقامت بيننا. ومن طريقه رواه الدارقطنی وأخرجه ابن أبی شيبة من طريق قتادة، عن أم الحسن: أنها رأت أم سلمة تقوم معهن فی صفهن. (ابن حجر العسقلاني، التلخيص الحبير فی تخريج أحاديث الرافعي الكبير: ج۲،ص:۸۹)**

عورتوں کی امامت کرے اور ان کے درمیان کھڑی ہوں۔ اور حاکم نے المستدرک میں عبداللہ بن ادریس سے، انہوں نے عطاء سے، اور انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی: وہ اذان دیتی تھیں، اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں جب کہ وہ ان کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔[1] جیسا کہ علامہ عینی نے ذکر کیا ہے۔[2]

---

(۱) اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث عورت کے اذان اور اقامت کے جواز پر صریح دلیل ہے، جب کہ پہلے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ نے فرمایا: ''عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے''، تو ہم جواب دیں گے کہ ابن الجوزی نے حضرت اسماء کی حدیث کا انکار کیا ہے اور اسے مرفوع حدیث قرار نہیں دیا۔ امام بخاری، امام نسائی اور امام ابن معین نے اس حدیث کے راوی حکم بن عبداللہ کے بارے میں کلام کیا ہے، جیسا کہ استاذ محترم (اللہ ان کا سایہ دراز کرے) نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ (عبد الغفور شاگرد حضرت لکھنوی)

(۲) رواه الحاكم في ''المستدرک'' عن عبد الله بن إدريس عن عطاء عن عائشة رضی اللّٰه عنها أنها كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء فتقوم وسطهن. (البناية شرح الهدايه ،بدر الدين العيني: موقف الإمام والماموم في الصلاه'': ج۲،ص:۳۳۹)

أخرجه الحاكم في ''المستدرک'' عن عبد الله بن إدريس عن ليث عن عطاء عن عائشة أنها كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء فتقوم وسطهن انتهى (نصب الراية لأحاديث الهداية ، ''باب الإمامة'' (بيروت ،موسسة الريان لطباعة والنشر ،ط:۱،۱۹۹۷م: ج۲،ص:۲۱)

ثنا عبد الله بن إدريس، عن ليث، عن عطاء، عن عائشة، أنها كانت ''تؤذن، وتقيم، وتؤم النساء، وتقوم وسطهن. (حاكم، أبو عبد الله، المستدرک على الصحيحين. (بيروت، دار الكتب العلمية ،۱۹۹۰م) ج۱،ص:۳۲۰)

دوسرا باب

اس باب میں مختلف مذاہب کے اختلافات کا ذکر ہے

مختلف نظریات:

عورتوں کی جماعت (عورتوں کے درمیان) مشروع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ نے اس کو مستحب قرار دیا ہے اور یہ قول حضرت اوزاعیؒ، امام ثوری اور امام احمدؒ کا بھی ہے، اور ابن منذر نے یہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے نقل کیا ہے۔ ابراہیم نخعی اور امام شعبی کی رائے ہے کہ نفل میں عورتوں کی جماعت ہوسکتی ہے، لیکن فرض میں نہیں۔ ابوثور، امام مزنی، اور محمد بن جریر طبری اس کے قائل ہیں کہ عورتوں کا امام بننا مطلق جائز ہے، چاہے مردوں کی امامت کرے یا عورتوں کی۔ اور حسن بصریؒ اور مالک کے نزدیک عورت کسی کی امامت نہیں کرسکتی، نہ فرض نماز میں اور نہ نفل نماز میں۔ علامہ عینی نے بنایہ میں ان تمام اقوال کو ذکر کیا ہے۔ (۱)

احناف کا نقطہ نظر اور ان کی توجیہات:

احناف کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اور یہ احناف کی بہت سی فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔ فقہاء احناف نے کراہت کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں اور ان احادیث کے جوابات دیے ہیں جو عورتوں کی جماعت کے مشروع ہونے پر وارد ہوئی ہیں۔ (۲)

---

(۱) بدر الدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج۲، ص:۳۳۶.

(۲) یعنی ہم ان فقہاء کی مختلف عبارات سے اتنا ذکر کریں گے جو کراہت کے دلائل کو ثابت کرتا ہے، اور اس کو جامع طور پر ذکر کریں گے تاکہ کوئی دلیل چھوٹنے نہ پائے۔ پھر ہم ان دلائل کے بعد وہ اعتراضات بیان کریں گے جو ہمارے فقہاء رحمہم اللہ نے ذکر کیے ہیں۔ (محمد عبد الغفور)

فقہائے احناف کے اقوال

(۱) علامہ زین الدین ابن نجیم مصری:

ابن نجیم البحر الرائق [۱] میں لکھتے ہیں: عورتوں کی جماعت مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں کوئی ممنوع کے ارتکاب سے خالی نہیں ہوتا، جیسے امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا، اور یہ مکروہ ہے جیسے برہنہ لوگوں کی جماعت مکروہ ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ [۲]

اس سے عورتوں کی جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے کا علم ہوتا ہے؛ کیوں کہ امام کا آگے ہونا واجب ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی رہی ہے اور واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہوتا ہے، جو گناہ کا باعث ہے۔ اور اگر خواتین جماعت بنائیں تو امام درمیان میں کھڑی ہوں، جیسے ننگے لوگ [۳] جب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو ان کا امام

---

(۱) البحر الرائق کے مؤلف علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد متوفی ۹۷۰ھ ہیں آپ سراج الدین ابن نجیم اور ابن نجیم المصری کے نام سے مشہور ہیں، آپ کی یہ کتاب کنز کی تمام شروحات میں سب سے زیادہ مفصل اور مشہور ہے، اس میں مثالوں کی کثرت اور جزئیات کا خوب پھیلاو ہے۔

(۲) وجماعة النساء أي وكره جماعة النساء لأنها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الإمام وسط الصف فيكره كالعراة كذا في الهداية وهو يدل على أنها كراهة تحريم لأن التقدم واجب على الإمام للمواظبة من النبي عليه وترك الواجب موجب لكراهة التحريم المقتضية للإثم ويدل على كراهة التحريم في جماعة العراة بالأولى. (ابن نجيم، البحر الرائق شرح كنز الدقائق. (بيروت: دار الكتاب الإسلامي)، ط:۲، ج۱، ص:۳۷۲)

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ برہنہ افراد اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو ان کا امام ان کے درمیان کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح خواتین کا امام بھی درمیان میں کھڑا ہو، تاکہ زیادہ انکشاف سے بچا جا سکے۔ (محمد عبد الغفور، حضرت لکھنوی کے شاگرد)

بھی درمیان میں کھڑا ہوتا ہے۔اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا تھا کہ وہ درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں مگران کے عمل کوابتدائے اسلام پرمحمول کیا گیا ہے؛اورمزید یہ کہ آگے بڑھنے میں بے پردگی کا زیادہ خدشہ ہوتا ہے۔[۱]

(۲)محمود بن احمد بدرالدین عینی:

رمزالحقائق[۲] میں ہے کہ خواتین کی جماعت مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں حرام سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔اگر وہ جماعت بنانا چاہیں تو امام درمیان میں کھڑی ہوتا کہ زیادہ بے پردگی سے بچا جاسکے، جیسے ننگے لوگ جماعت بناتے ہیں تو امام ان کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔[۳]

(۳)عبدالرحمٰن بن محمد شیخی زادہ:

مجمع الانہر میں ہے کہ خواتین کی جماعت مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں دو محرمات میں سے ایک کا ارتکاب لازم آتا ہے: یا تو امام ان کے درمیان کھڑا ہوگا یا آگے بڑھے گا؟ اور یہ دونوں صورتیں ان کے حق میں مکروہ تحریمی ہیں، سوائے جنازے کی نماز کے؛ کیوں کہ وہ فرض ہے اور ممنوعہ چیز کی وجہ سے اسے ترک نہیں کیا جائے گا۔اگر وہ جماعت بنائیں اور مکروہ عمل کریں تو امام درمیان میں کھڑی ہو؛ کیوں کہ جب عورتوں کی جماعت مستحب تھی تو

---

(۱)الزيلعي،فخر الدين ،تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، (بيروت، دار الكتاب الإسلامي)، ج۱،ص:۱۳۵)

(۲) یہ کتاب علامہ محمود بن احمد بن موسیٰ بدرالدین عینی متوفی ۱۴۲۱ء کی تصنیف ہے جو کنز الدقائق کی نہایت مفید اور لائق تحسین شرح ہے۔

(۳)وكره أيضا جماعة النساء لانها لا تخلو عن نوع حرام فإن فعلن يعنى فإن أراد أن يصيلين جماعة تقف الإمام منهن وسطهن تحرزا عن زيادة الكشف كالعراه الخ. (بدر الدين العيني ،رمز الحقائق شرح كنز الدقائق،(سوريا،دمشق،دار المنهاج القويم،ط: ۱، ۲۰۲۳م)، ج۱،ص:۴۶.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا تھا، لیکن بعد میں اس کا استحباب منسوخ ہو گیا۔ (۱)

(۴) ابوبکر بن علی بن محمد الحداد:

''السراج الوہاج''(۲) میں ہے کہ درمیان میں کھڑے ہونے کی ہدایت دی گئی ہے؛ کیوں کہ یہ آگے بڑھنے کے مقابلے میں اس میں کراہت کم ہے، لیکن اس کی ایڑی اس کے پیچھے کھڑی عورتوں کی ایڑی سے آگے رہے تاکہ اقتدا صحیح ہوتی کہ اگر امام عورت کی ایڑی ان ایڑیوں سے پیچھے رہ گئی تو اقتدا درست نہیں ہوگی۔ (۳)

---

(۱) وكذا يكره جماعة النساء وحدهن لأنه يلزمهن إحدى المحظورين إما قيام الإمام وسط الصف أو تقدمه وهما مكروهان في حقهن كراهة تحريم إلا في صلاة الجنازة فإنها لا تكره فيها لأنها فريضة ولا تترك بالمحظور فإن فعلن أي إن صلين جماعة وارتكبن الكراهة يقف الإمام من يؤتم به أي يقتدى به ذكرا كان أو أنثى فلهذا لم يدخل تاء التأنيث وسطهن لأن عائشة رضي الله عنها فعلت كذا حين كانت جماعتهن مستحبة ثم نسخ الاستحباب. (شيخي زاده، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، (بيروت ،دار الكتب العلمية:۱۹۹۸م)، ج۱،ص:۱۶۴.

(۲) ''شرح مختصر القدوری'' جو کہ ''السراج الوہاج الموضح لکل طالب محتاج'' کے نام سے معروف ہے، کو اس کے مصنف نے مختصر کیا اور ''الجوہرۃ النیرۃ'' کے نام سے موسوم کیا۔ اس شرح میں الفاظ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا لیکن جملے واضح ہیں جن میں بہت سی معانی اور فوائد شامل ہیں۔ اس کو فقہی کتابوں اور ابواب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، اور اس میں فقہ حنفی کے اندر موجود مختلف اقوال اور آراء ذکر کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی اس میں سے راجح (مؤثر) قول بھی بیان کیا گیا ہے، جس پر دلیل قرآن وسنت اور دیگر ذرائع سے پیش کی گئی ہے۔ اس شرح میں دیگر فقہی مذاہب کے اختلافات کا ذکر بہت کم کیا گیا ہے۔

(۳) وفي السراج وإنما أرشد إلى التوسط لأنه أقل كراهة من التقدم لكن لا بد أن يتقدم عقبها عن عقب من خلفها ليصح الاقتداء حتى لو تأخر لم يصح. (شيخي زاده، ،مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر. ج۱،ص:۱۶۴.

(۵) علامہ عثمان بن علی زیلعی:

تبیین الحقائق [1] میں ہے کہ خواتین کی تنہا جماعت مکروہ ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صلاة المراة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها و صلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها''

(عورت کا اپنے گھر کے اندر نماز پڑھنا، گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور اس کا گھر کے اندر کسی کوٹھری میں نماز پڑھنا، اس کے کھلے مکان میں نماز پڑھنے سے افضل ہے)۔

کیوں کہ اس میں دو محظور میں سے ایک لازم آتا ہے: یا تو امام صف کے درمیان کھڑی ہوگی جو ان کے حق میں مکروہ ہے، یا امام آگے کھڑی ہوگی اور وہ بھی مکروہ ہے جیسا کہ ننگے لوگوں کی جماعت مکروہ ہے، اس لیے خواتین کے لیے جماعت مشروع نہیں کی گئی، اور اسی لیے ان کے لیے اذان بھی مشروع نہیں کی گئی جو جماعت کے لیے بلانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کراہت نہ ہوتی تو جماعت مشروع ہوتی۔

(اس کراہت کے باوجود) اگر عورتیں جماعت بنانا چاہیں تو امام صف کے درمیان کھڑی ہوگی؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا تھا جب عورتوں کی جماعت

---

(۱) تبیین الحقائق یہ کتاب کنز الدقائق کی بہت مشہور شرح ہے۔ یہ کتاب مشہور فقیہہ اور محدث علامہ فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی الزیلعی متوفی ۷۴۳ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں استدلال اور دلیل پر بہت زور دیا گیا ہے کہ فلاں بات ''کنز الدقائق'' میں کیوں کہی گئی ہے؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ یہ تفصیل تبیین الحقائق میں ملتی ہے یہ کتاب تین ضخیم جلدوں میں ہے۔ البحر الرائق اور تبیین الحقائق شرحیں مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں کہ ایک میں استدلال اور دوسری میں مثالیں زیادہ ہیں۔ علامہ زیلعی ۷۰۵ھ میں قاہرہ تشریف لے گئے تو وہاں کی مسند تدریس وافتاء پر فائز کیے گئے۔ فقہ، نحو اور فرائض (میراث) کے بہت بڑے عالم تھے۔

مستحب تھی، لیکن بعد میں استحباب منسوخ ہوگیا اس لیے کہ عورتوں کے لیے پردہ لازمی ہے، خاص طور پر نماز میں۔ اسی لیے حکم ہے کہ عورت کی نماز اس کے گھر میں بہتر ہے اور سجدے کی حالت میں وہ نیچے جھکے گی اور اپنے پیٹ کو ران سے دور نہیں کرے گی، تاکہ پردہ اچھی طرح حاصل ہو لیکن جب امام بنے گی تو بے پردگی زیادہ ہوگی، اس لیے مکروہ ہے۔[1]

(۶) نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی:

''المجتبیٰ[2] شرح مختصر القدوری'' میں علامہ زاہدی لکھتے ہیں کہ عورتوں کے لیے تنہا جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور اگر وہ ایسا کریں تو امام ان کے درمیان کھڑی ہو، جیسے ننگے لوگ نماز پڑھتے وقت امام کو درمیان میں رکھتے ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواتین کی جماعت مردوں کی جماعت کی طرح مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت رابطہ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں امامت کروائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر خواتین کی جماعت مردوں کی طرح مشروع ہوتی تو اس کا ترک کرنا مکروہ ہوتا اور اس کا چرچا مردوں کی جماعت کی طرح ہوتا، اور حضرت رابطہ کی حدیث ابتدائے اسلام پر محمول ہے اور خاتون امام کا درمیان میں کھڑا ہونا خواتین کے لیے زیادہ پردہ کا باعث ہے، اس لیے یہی بہتر ہے۔

(۷) یوسف بن عمر بن یوسف کا دوری:

''جامع المضمرات''[3] میں ہے کہ اگر خواتین جماعت بنائیں تو امام ان کے درمیان

---

(۱) الزيعلي، فخر الدين، تبين الحقائق شرح كنز الدقائق: ج۱، ص: ۱۳۵.

(۲) المجتبیٰ امام الجلیل، استاذ ممتاز، دین واسلام کے رہنما، فقیہہ زمانہ، صاحبِ علم وبیان، انجم الحق والدین، حجۃ الاسلام والمسلمین، مختار بن محمود الزاہدی کی شرح ہے جس میں اختصار کے ساتھ قدوری کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ (مصطفیٰ قراجہ پی ایچ ڈی مقالہ: ۱۴۳۶ھ)

(۳) جامع المضمرات قدوری کی شرح ہے اس کے مصنف .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

کھڑی ہو؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا تھا اور ان کے اس عمل کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا گیا ہے اس لیے کہ آگے بڑھنے میں زیادہ پردہ کھلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔[۱]

(۸) ابوالبرکات عبداللہ بن احمد حافظ الدین النسفی:

''النہر الفائق شرح کنز الدقائق''[۲] میں ہے کہ خواتین کی جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ اس میں یا تو امام صف کے درمیان کھڑی ہوگی یا امام آگے بڑھے گی، اور یہ دونوں صورتیں مکروہ ہیں۔ اس میں فرض نماز اور دیگر نمازوں جیسے تراویح وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے جنازہ کی نماز کے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز صحیح ہے؛ کیوں کہ کراہت صحت کے منافی نہیں ہے۔ ''السراج'' میں لکھا ہے کہ اگر امام نے عورت کو خلیفہ بنایا ہو اور اس کے پیچھے مرد وعورت دونوں ہوں تو سب کی نماز فاسد ہوگی۔ مردوں کی نماز تو ظاہر ہے، اور عورتوں کی اس لیے کہ وہ مکمل تحریمہ میں شامل ہوئیں۔''[۳]

.....گذشتہ کا بقیہ..... یوسف بن عمر بن یوسف الکادوری ہیں، کتاب کو فقہ فتاوی کی روشنی میں لکھا گیا ہے یہی اس کا امتیازی پہلو ہے جو قدوری کی دوسری شروحات سے اس کو ممتاز کرتی ہے۔

(۱) وفي جامع المضمرات شرح مختصر القدوری: فإن فعلن وقف الإمام وسطهن؛ لأن عائشة فعلت كذلك، وحمل فعلها الجماعة على ابتداء الإسلام، ولأن في التقدم زيادة الكشف. (الإمام يوسف بن عمر الكادوري، جامع المضمرات والمشكلات: ج۱،ص:۳۸۳، "باب صلاة الجماعة" دار الكتب العلمية)

(۲) النہر الفائق: سراج الدین عمر بن إبراہیم بن نجیم الحنفی کی مقبول ترین تصنیف ہے جسے آپ نے ''البحر الرائق'' کے طرز پر لکھی ہے لیکن اس میں عبارتوں کی ترتیب اور تنقیح میں زیادہ عمدگی ہے۔ اس شرح میں بعض اوقات البحر الرائق پر مناقشہ بھی ہے۔

(۳) كره أيضًا تحريمًا (جماعة النساء) للزوم أحد المكروهين أعني: قيام الإمام وسط الصف أو تقدمه لا فرق في ذلك بين الفرائض وغيرها كالتراويح إلا الجنازة فإنها غير مكروهة لما أنها فريضة وترك التقدم فدار الأمر بين فعل المكروه للرفض أو ترك الفرض فوجب الأول بخلاف جماعتهن في غيرها .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

(۹) محمد بن عبداللہ التمرتاشی:

''منح الغفار شرح تنویر الابصار'' میں ہے کہ جنازہ کی نماز کے علاوہ عورتوں کی جماعت مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں ممنوع عمل شامل ہوتا ہے، جیسے امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا، جو مکروہ ہے، جیسے ننگے لوگوں کی جماعت مکروہ ہے۔ ''ہدایہ'' میں بھی یہی لکھا ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے، جو گناہ کا موجب ہے۔

ہدایہ'' میں مزید یہ ہے کہ عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اکیلی جماعت بنائیں؛ کیوں کہ اس میں ممنوع عمل شامل ہوتا ہے، جیسے امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا، جو مکروہ ہے، جیسے ننگے لوگوں کی جماعت۔ اور اگر وہ جماعت بنائیں تو امام ان کے درمیان کھڑی ہوں؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا کیا تھا اور ان کے اس عمل کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ آگے بڑھنے میں بے پردگی کا خطرہ ہوتا ہے۔[1]

.....گذشتہ کا بقیہ..... ولو صلين فرادى فقد تسبق إحداهن فتبقى صلاة الباقيات نفلاً والتنفل بها مكروه، ودل كلامه أنها صحيحة إذ الكراهة لا تنافي الصحة قال في (السراج): إلا إذا استخلفها الإمام وكان خلفه رجال ونساء حيث تفسد صلاة الكل أما الرجال فظاهر وأما النساء فلأنهن دخلن في تحريمة كاملة وقد قالوا: يكره للرجل أن يؤم النساء في بيت ليس معهن فيه رجل ولا محرم منه كزوجته وأمته وأخته فإن كانت واحدة منهن أو كان في المسجد لم يكره قاله الإسبيجابي قال في (البحر): وإطلاق المحرم على من ذكر تغليب وإلا فليس محرمًا لزوجته وأمته انتهى. (ابن نجيم، النهر الفائق شرح كنز الدقائق، (بيروت، دار الكتب العلمية، ط:۱، ص:۲۰۰۲م)، ج۱، ص:۲۴۴.

(۱) ويكره للنساء أن يصلين وحدهن الجماعة "لأنها لا تخلو عن ارتكاب ممنوع وهو قيام الإمام وسط الصف فيكره كالعراة" فإن فعلن قامت الإمام وسطهن "لأن عائشة رضي اللّٰه عنها فعلت كذلك وحمل فعلها الجماعة على ابتداء الإسلام ولأن في التقدم زيادة الكشف". (المرغيناني، الهداية، (بيروت لبنان، دار احياء التراث العربي): ج۱، ص:۵۷.

مذکورہ اقوال سے حاصل شدہ نتائج

ان عبارات اور ان جیسی دیگر عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء احناف نے تنہا خواتین کی جماعت کے مکروہ ہونے اور اس کے عدم مشروع ہونے کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔

پہلا طریقہ:

عورتوں کی تنہا جماعت کی ممانعت کی وجوہات:

اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ عورتوں کی تنہا جماعت دونوں ممنوعات میں سے ایک میں ضرور شامل ہوگی۔ پہلی یہ کہ خواتین کی جماعت میں یا تو امام مقتدیوں سے آگے کھڑی ہوگی یا درمیان میں کھڑی ہوگی، اور یہ دونوں ہی مکروہ ہیں؛ کیوں کہ پہلی صورت میں بے پردگی ہوتی ہے جب کہ عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خاص طور پر نماز کی حالت میں۔ دوسری صورت میں یہ خرابی ہے کہ امام کا آگے ہونا سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ (جب کہ خاتون امام نماز میں پیچھے کھڑی ہو کر سنت کو ترک کرتی ہیں جس کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہے)

اس کی مختلف توجیہات ہیں:

پہلی بحث:

اکمل الدین بابرتی نے ''عنایہ'' میں ذکر کیا ہے کہ خاتون کا نماز جنازہ میں امامت کرنا مکروہ نہیں ہے اور کسی ممنوع کے ارتکاب کے وجوب کے ساتھ حکم کا باقی رہنا صحیح نہیں ہے۔ پھر اکمل الدین بابرتی نے اس کا جواب دیا ہے کہ عام نمازوں میں عورتوں کی

جماعت کا ترک اس لیے کیا گیا ہے کہ سنت اور کراہت کا اجتماع لازم آتا ہے، اس لیے کراہت کی وجہ سے سنت کو ترک کر دیا گیا۔ لیکن نمازِ جنازہ میں فرض اور کراہت اکٹھے ہیں؛ کیوں کہ اگر عورتیں جماعت سے نماز پڑھیں اور امام کو درمیان میں کھڑا کریں تو فرض ادا کریں گی؛ کیوں کہ نماز جنازہ فرض ہے، لیکن کراہت کا ارتکاب کریں گی۔ اور اگر وہ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تو مکروہ کو ترک کریں گی، لیکن اس طرح سے بعض عورتوں کی نماز رہ جائے گی؛ کیوں کہ فرض (کفایہ) ایک کے نماز پڑھنے سے ساقط ہو جاتا ہے اور ممکن ہے کہ ایک عورت کی نماز باقیوں سے پہلے ختم ہو جائے۔[1]

علامہ لکھنوی فرماتے ہیں: ایسا ہی تمام شراح اور محدثین نے ذکر کیا ہے۔ ابن الہمام نے ''فتح القدیر'' میں لکھا ہے:

عورتوں کی جماعت نماز جنازہ میں مکروہ نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ فرض ہے، اور امام کا آگے نہ ہونا مکروہ ہے۔ معاملہ اس بات کے درمیان ہے کہ آیا فرض کو ادا کیا جائے اور مکروہ کام (جماعت) کیا جائے، یا مکروہ کام (جماعت) کو ترک کیا جائے اور فرض چھوڑا جائے۔ اس لیے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرض ادا کیا جائے چاہے کراہت کے ساتھ ہی سہی۔ جب کہ دیگر نمازوں میں ایسا نہیں ہے، اور اگر وہ اکیلی نماز جنازہ پڑھیں تو ہوسکتا ہے کہ ایک عورت پہلے فارغ ہو جائے اور باقی عورتوں کی نماز نفل ہو جائے، لہٰذا اس ایک عورت کے نماز سے فارغ ہوتے ہی باقی عورتوں کی نماز خراب ہو جائے گی۔[2]

---

(۱) البابرتی، أكمل الدين، العناية شرح الهداية (بيروت: دار الفكر): ج۱، ص: ۳۵۲.

(۲) واعلم أن جماعتهن لا تكره في صلاة الجنَازة لأنها فريضة، وترك التقدم مكروه، فدار الأمر بين فعل المكروه بفعل الفرض أو ترك الفرض لتركه، فوجب الأول، بخلاف جماعتهن في غيرها، ولو صلين فرادى فقد تسبق إحداهن فتكون صلاة الباقيات نفلا، والتنفل بها مكروه، فيكون فراغ تلك موجبا لفساد الفرضية للصلاة الباقيات. (ابن الهمام، فتح القدير، بيروت، دار الفكر): ج۱، ص: ۳۵۲.

ابن نجیم ''البحر الرائق'' میں لکھتے ہیں: شراح نے نمازِ جنازہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے؛ کیوں کہ وہ فرض ہے، اور امام کا آگے نہ ہونا مکروہ ہے، اس لیے معاملہ فرض کو انجام دینے کے لیے مکروہ پر عمل کرنے، یا فرض کو ترک کر کے مکروہ سے بچنے کے درمیان ہے، لہٰذا پہلا زیادہ ضروری ہے۔(۱)

علامہ طحطاوی نے ''مراقی الفلاح'' کے حاشیہ میں لکھا ہے: عورتوں کی جماعت نمازِ جنازہ میں مکروہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں تکرار جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر ایک عورت اکیلے نماز پڑھ لے تو باقی عورتوں کی نماز رہ جائے گی، اور اگر کوئی عورت نماز جنازہ کی امامت کرے تو دوبارہ نماز نہیں پڑھی جائے گی؛ کیوں کہ اس کے نماز پڑھنے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کا حکم دیگر نمازوں میں بھی ہے۔(۲)

لیکن غور وفکر کے بعد ان اقوال پر چند اشکالات پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا اشکال:

ابن عابدین نے ردالمحتار علی الدر المختار میں فتح القدیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورتوں کے علاوہ کوئی نہ ہو تو عورتوں کی جنازہ کی نماز واجب ہے''۔

شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ایک عورت پہلے نماز پڑھ لے تو باقیوں کی فرضیت باطل

---

(۱) واستثنى الشارحون جماعتهن في صلاة الجنازة فإنها لا تكره لأنها فريضة وترك التقدم مكروه فدار الأمر بين فعل المكروه لفعل الفرض أو ترك الفرض لتركه فوجب الاول بخلاف جماعتهن في غيرها. (ابن نجيم، البحر الرائق شرح كنز الدقائق، (بيروت، دار المعرفه): ج۱،ص:۳۷۲.

(۲) لا تكره جماعتهن فيها لأنها لم تشرع مكررة فلو انفردت تفوتهن ولو أمت المرأة في صلاة الجنازة رجالا لا تعاد لسقوط الفرض بصلاتها. (الطحطاوي، حاشية على مراقي الفلاح (ببولاق، مصر، المطبعة الكبرى الأميرية، ط:۱۳۱۸ھ): ج۱،ص:۲۰۵.

ہوجائے گی۔لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ اگر مرد جنازہ کی نماز الگ الگ پڑھیں تو یہی خرابی لازم آئے گی۔لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مردوں کی جماعت بھی واجب ہوگی، حالاں کہ فقہاء کی صراحت موجود ہے کہ جنازہ کی نماز میں جماعت واجب نہیں ہے۔[1]

دوسرا اشکال:

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں جماعت بالاتفاق واجب نہیں ہے، جیسا کہ فقہا نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، جو ایک آدمی کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ساقط ہوجاتا ہے، چاہے وہ انفرادی طور پر نماز ادا کرے، یہ فرض عین نہیں ہے کہ ہر شخص پر لازم ہو۔لہٰذا جب جنازہ حاضر ہو اور وہاں کوئی مرد نہ ہو، تو دو ممنوع میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرکے جماعت سے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ تنہا تنہا پڑھیں کہ بعض عورت کے پہلے پڑھ لینے کی وجہ سے دوسری عورتوں کی نماز نفل ہوجائے بلکہ صرف ایک عورت کا نماز پڑھ لینا کافی ہے اس صورت میں بلا کسی ممنوع کے ارتکاب کے تمام لوگوں سے فریضہ ساقط ہو جائے گا۔

مختصر یہ ہے کہ کراہت کی جو دلیل پیش کی گئی کہ ''نماز جنازہ میں کسی ممنوعہ عمل کا ارتکاب ہوگا'' وہ اب بھی اسی طرح موجود ہے جیسے پہلے تھی۔یہ کہنا کہ کراہت کا ارتکاب فرض کی ادئیگی کے لیے ہے درست نہیں ہے؛ کیوں کہ جس (جماعت) کی وجہ سے کراہت لازم آرہی ہے وہ فرض نہیں ہے۔اصل فرض تو جنازہ کی نماز ہے، اور وہ بھی فرض کفایہ ہے،

---

(١)ومفاده أن جماعتهن في صلاة الجنازة واجبة حيث لم يكن غيرهن، ولعل وجهه الاحتراز عن فساد فرضية صلاة الباقيات إذا سبقت إحداهن. وفيه أن الرجال لو صلوا منفردين يلزم فيها مثل ذلک، فيلزم عليه وجوب جماعتهم فيها مع أن المصرح به أن الجماعة فيها غير واجبة. (ابن عابدين، رد المحتار، موقع الإسلام، "باب الإمامة": ج٤،ص:٢٥٨.

نہ کہ فرض عین۔اور نفس فرض کی ادائیگی کسی امر محظور کے ارتکاب پر موقوف نہیں ہے۔

لہٰذا فقہاء کا یہ کہنا کہ معاملہ فرض کی ادئیگی کے لیے فعل مکروہ کو انجام دینا یا مکروہ سے بچنے کے لیے فرض کو ترک کرنے کے درمیان منحصر ہے یہ بالکل درست نہیں ہے؛ کیوں کہ مکروہ کو چھوڑنے سے فرض کو ترک کرنا لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ یہ امکان موجود ہے کہ ایک عورت تنہا نماز پڑھ لے اور سب کی طرف سے فرض ادا ہو جائے۔ یہ بات اسی وقت درست ہوتی جب جماعت جنازہ کی نماز میں فرض ہوتی، یا خود جنازہ کی نماز فرض عین ہوتی۔لیکن جب ایسا نہیں ہے تو اس طرح کا حکم بھی نہیں ہوگا۔

دوسری بحث:

صاحب عنایہ کی ذکر کردہ توجیہ کہ ''امام خاتون کا بیچ میں کھڑا ہونا کشف ستر کو کم کرنے کی غرض سے ہے'' درست نہیں ہے؛ کیوں کہ حکم اس کشف کے بغیر بھی برقرار ہے۔ کیوں کہ ایک عورت جس نے اپنے جسم پر سر سے پاؤں تک ایک مکمل لباس پہنا ہو اور خاص طور پر عورتوں کو امام بنا کر نماز پڑھائے، اور وہاں کوئی مرد موجود نہ ہو، تو بھی یہ مکروہ ہے، حالاں کہ یہاں کوئی کشف نہ ہوگا، چہ جائے کہ کشف میں اضافہ ہو۔

علامہ عینی اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ایسا ہونا نادر ہے، اور نادر پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور یہ کہ ترکِ تقدیم سنت سے ثابت ہے اور زیادتی کشف والی علت صرف وضاحت کے لئے ہے۔[1]

علامہ لکھنویؒ کہتے ہیں: یہ جواب بھی فائدہ مند نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہاء کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے عورتوں کے مقتدیوں کے سامنے بڑھنے کو کشف، بلکہ کشف کے

---

(۱)والرابع أن التعليل بزيادة الكشف غير صحيح لبقاء الحكم بدونها، فإن المرأة لو لبست ثوبًا حشوًا من قرنها إلى قدمها وأمت النساء خاصة ولا رجل ثمة فإنه لا كشف هناك أصلًا فضلًا عن الزيادة. (البابرتي، كمال الدين، العناية شرح الهداية، ج۱،ص:۳۵۳.

اضافے کا لازمی سبب قرار دیا ہے، جو کہ ایک باطل حکم ہے؛ کیوں کہ اگر آگے بڑھنے والی امام خاتون نے سر سے پاؤں تک ایک ایسا لباس پہن رکھا ہو جو مکمل ڈھانپنے والا ہو، تو وہاں کوئی کشف نہیں ہوگا، چہ جائے کہ کشف میں اضافہ ہو۔ اور یہ کوئی نادر امر نہیں ہے، اور اس کو علامہ عینی نے بھی رد کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے بنایہ میں صاحب عنایہ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ کہنا کہ یہ نادر ہے، تسلیم نہیں کیا جا سکتا؛ کیوں کہ عورت کا معاملہ ہر حالت میں ستر کا ہے، خاص طور پر نماز میں، اور مزید برآں کہ وہ امامت کر رہی ہو، تو وہ اپنے اعضاء کے انکشاف سے حد درجہ اجتناب کرتی ہے۔ اس وقت کوئی کشف نہیں پایا جائے گا، چہ جائے کہ کشف میں اضافہ ہو۔ اور صاحب عنایہ کا یہ کہنا کہ ترکِ تقدم سنت سے ہے، یہ بات قابل نظر ہے؛ کیوں کہ انہوں نے اس سنت کو واضح نہیں کیا جو ترکِ تقدم پر دلالت کرتی ہو۔ (یعنی سنت کے مطابق عمل کی وضاحت بھی ضروری ہے؛ کیوں کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس سے ترک تقدم ثابت ہوتا ہو)۔

تیسری بحث:

یہ بحث دوسری بحث کے قریب ہے، کافی عرصے سے میرے ذہن میں یہ بات آ رہی تھی کہ آگے بڑھنا اس وقت پردہ کھلنے کا سبب بنتا ہے جب عورت نے پورے جسم کو ڈھانپنے والے کپڑے نہ پہنے ہوں تو کیوں نہ امام خاتون کو پردے کے مکمل اہتمام کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا جائے تاکہ دونوں ممنوعات میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب لازم نہ آئے اور مطلق کراہت کا حکم باقی نہ رہے؟

چوتھی بحث:

چوتھی بات: یہ بھی کافی عرصے سے میرے دل میں ہے کہ اگر پردہ کھلنے سے مراد ان بعض اعضاء کا کھلنا ہے جس کا نماز اور غیر نماز دونوں میں چھپانا واجب ہے، تو صرف عورت

کا آگے بڑھنا اس پردہ کے کھلنے کا سبب نہیں بنتا۔ اور اگر پردہ کھلنے سے مراد وہ چیز ہے جس کا چھپانا واجب نہیں تو یہ نماز کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی جماعت میں کسی کراہت کا باعث ہے۔ اور اگر آگے بڑھنے سے مراد یہ ہے کہ عورت دوسری خواتین کے مقابلے میں نمایاں ہو جاتی ہے اور لوگوں کے سامنے آجاتی ہے، تو اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور یہ حالت انفرادی نماز میں بھی پیش آسکتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ عورت کو سب سے زیادہ پردہ والی حالت میں ہونا چاہیے، خاص طور پر نماز کی حالت میں جو کہ مناجات (اللہ سے راز و نیاز) کی حالت ہے، اور آگے بڑھنا اس پردے کو ختم کر دیتا ہے، جیسا کہ صاحبِ ''نہایہ'' نے کہا ہے ''اگر کہا جائے کہ عورت بغیر کشف کے ہو اس طور پر کہ عورت سر سے پاوں تک کپڑا پہنے ہو تو عورت کے لیے آگے بڑھنا جائز ہے، تو ہم (صاحب نہایہ) کہیں گے کہ عورت کے اوپر لازم ہے کہ ہر حال میں ستر کا خیال کرے خاص طور پر نماز میں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ درمیان میں ہونے میں آگے بڑھنے سے زیادہ ستر ہے''۔

تو علامہ لکھنوی لکھتے ہیں:

اس دلیل کو احمد بن یحییٰ بن محمد بن سعد التفتازانی جو شیخ الاسلام ہروی سے مشہور ہیں انہوں نے ''شرح الوقایہ'' کی حاشیہ میں رد کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ستر عورت کو دیکھنے میں یہ فرق نہیں پڑتا کہ دیکھنے والی مقتدیہ ہو یا کوئی اور ہو، پھر تو یہ لازم آئے گا کہ ایک عورت کی نماز دوسری عورت کے آگے (تنہا بھی) درست نہ ہو لہٰذا محض اس بات سے کہ عورت کا ہر حال میں ستر پوش ہونا چاہیے سر سے پاوں تک ڈھکے ہوئے کپڑے میں نماز کے لیے آگے بڑھنے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی خاص کر نماز کے علاوہ میں۔

اور مزید یہ کہ اگر پردے کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے ان تمام حصوں کو چھپائے جنہیں شریعت نے ستر قرار دیا ہے (مثلاً سر، بال، جسم کے مخصوص حصے)، تو یہ ہر وقت

واجب ہے، چاہے وہ نماز میں ہو یا عام حالات میں۔صف میں آگے بڑھنے سے یہ پردہ ختم نہیں ہوتا۔

اگر پردے سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنا پورا جسم (سر سے پاؤں تک) مکمل طور پر ڈھانپے، تو یہ نہ نماز کے دوران واجب ہے اور نہ ہی عام حالات میں۔البتہ، ایسا کرنا مستحب (بہتر) ہوسکتا ہے،لیکن یہ لازم نہیں۔

اگر صف میں آگے بڑھنے سے یہ پردہ ختم ہوتا ہے تو اس سے کراہت لازم نہیں آتی۔

پانچویں بحث:

علامہ عینی نے ''البنایہ'' میں صاحب ہدایہ کے قول پر اعتراض کیا ہے۔صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ''امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا کسی محظور عمل کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے'' اس پر عینی لکھتے ہیں کہ خاتون امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا کیسے ممنوع ہوسکتا ہے جب کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایسا کیا، اور ہم نے پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت نقل کردی ہے۔[1]

چھٹی بحث:

علامہ عینی مزید لکھتے ہیں کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ حرمت کا ارتکاب صرف مردوں کے حق میں ہے عورتوں کے لیے نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر یہ مطلق (یعنی سب کے لیے) ممنوع ہوتا تو اصل دلیل (حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور ابن عباسؓ کی روایت) میں اس کا جواز نہ ہوتا۔[2]

---

(١)فكيف يكون قيام الإمام وسطهن ممنوعا، وقد فعلته عائشة وأم سلمة، وروي عن ابن عباس رضي الله عنه على ما ذكرناه الآن. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج٢،ص:٣٣٦)

(٢)وأيضا فلقائل أن يقول: ارتكاب الممنوع فيه في حق الرجال دون النساء، إذ لو كان مطلقا لما كان يجوز الصلاة. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج٢،ص:٣٣٦)

ساتویں بحث:

امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونے کوحرام قرار دینا ان تمام اقوال کے خلاف ہوگا جس میں کہا گیا ہے کہ ''اگرعورتیں امام بنیں تو صف کے درمیان کھڑی ہوگی''لہذا اگر یہ واقعی حرام ہوتا تو کبھی بھی اس کا ارتکاب کیسے جائز ہوتا؟۔

لیکن علامہ عینی نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہاں ''حرمت'' سے مراد کراہت کے طور پر منع ہے، یعنی یہ عمل ناپسندیدہ ہے اور کراہت کے ساتھ جواز ممکن ہے۔

آٹھویں بحث:

امام کا درمیان کھڑا ہونا اگر منع ہے، چاہے وہ حرمت کی وجہ سے ہو یا کراہت کی وجہ سے، تو یہ صرف اس صورت میں ہوگا جب اس کے پیچھے تین یا اس سے زیادہ افراد ہوں، لیکن اگر اس کے پیچھے دو ہی فرد ہوں تو منع نہیں ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں کہا گیا ہے ''اگر امام دو لوگوں کی امامت کرے تو ان سے آگے کھڑا ہو، اور امام ابو یوسفؒ کے مطابق درمیان میں کھڑا ہو، اور یہ قول عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے'' ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ اور یتیمؓ کو نماز پڑھائی اور آپ آگے تھے،(۱) یہ افضلیت کی دلیل ہے، اور جو روایت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے وہ جواز کی دلیل ہے۔(۲)

لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ دو افراد کی امامت میں درمیان میں کھڑا ہونا امام ابو یوسفؒ

---

(۱) علقمہ اور اسود کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کے درمیان میں کھڑے ہوئے۔

(۲) وإن أم اثنين تقدم عليهما وعن أبي يوسف رحمه الله يتوسطهما ونقل ذلك عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه. ولنا أنه عليه الصلاة والسلام تقدم على أنس واليتيم حين صلى بهما فهذا للأفضلية والأثر دليل الإباحة ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي أما المرأة فلقوله عليه الصلاة والسلام أخروهن من حيث أخرهن الله فلا يجوز تقديمها وأما الصبي فلأنه متنفل. (المرغيناني، الهدايه، (بيروت: المكتبة الإسلامية)، ج۱، ص:۵۶.

کے نزدیک سنت ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے، اور افضل درمیان میں کھڑا ہونا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ تین یا اس سے زیادہ عورتوں کی امامت مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں ممنوع (یعنی صف کے درمیان امام کا کھڑا ہونا) پایا جاتا ہے، لیکن مطلقاً عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں ہے اور دو عورتوں کی امامت میں صف کے درمیان کھڑا ہونا بھی مکروہ نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ کوئی ممنوع عمل نہیں ہے، خاص طور پر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو مردوں کی امامت میں بھی درمیان میں کھڑا ہونے کو افضل سمجھتے ہیں۔ (۱)

نویں بحث:

فقہاء نے خاتون امام کے صف میں کھڑے ہوکر امامت کو مکرہ قرار دینے میں ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ امامت میں آگے کھڑے ہوتے تھے، اور جس عمل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت کی ہے وہ واجب یا سنت مؤکدہ ہوتا ہے اور اس کا ترک مکروہ یا حرام ہوتا ہے۔

یہ دلیل بھی ناقابل قبول ہے؛ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت مردوں کے حق میں ثابت ہے نہ کہ عورتوں کے حق میں، اور بہت سے احکام میں عورتوں اور مردوں کے درمیان فرق کیا گیا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے جو عورتوں کے لیے صف کے درمیان کھڑا ہونے کو ممنوع قرار دے؛ بلکہ صحابہ

خلاصہ: دو افراد کی امامت میں: درمیان میں کھڑا ہونا جائز اور امام ابو یوسف کے نزدیک افضل ہے۔
تین یا اس سے زیادہ افراد کی امامت میں درمیان میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہا جاسکتا ہے۔
اس کے باوجود خواہ جماعت تین عورتوں کی ہو یا دو عورتوں کی، یہ خواتین کی جماعت میں امامت کو مکمل طور پر مکروہ نہیں بناتا۔

کرام سے ایسی روایات ملتی ہیں جو عورتوں کے امام کو صف میں کھڑے ہونے کو جائز قرار دیتی ہیں۔ یہی وہ بات ہے جو میرے دل میں آئی اور اللہ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔[1]

خلاصہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صف کے درمیان کھڑے ہونے سے پرہیز کرنا مردوں کے لیے ایک اصول ہوسکتا ہے، لیکن عورتوں کے لیے اس ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے عورتوں کے لیے صف کے درمیان کھڑا ہونا جائز ہے، اور اس پر کراہت یا حرمت کا

---

(۱) پہلے طریق کا خلاصہ:

اس پہلے طریق میں علامہ لکھنوی نے جو تحقیق پیش کی ہے اس کو خلاصہ کے طور پر اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ:

نماز جنازہ میں عورتوں کی جماعت بنانا بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ایک فرض کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ اسے ادا کرلیں تو سب کی طرف سے ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے۔ اس لیے عورتوں کی جماعت میں امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا بھی درست ہے، اس پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۲) دوسری بات: عام نمازوں میں عورتوں کی جماعت کے بارے میں ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کی جماعت بنانا مکروہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی مضبوط دلیل نہیں ملتی۔ اس لیے عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا بالکل جائز ہے۔

(۳) اب آتے ہیں اس بات پر کہ امام صف کے درمیان کھڑی ہوسکتی ہیں؟ مردوں کے لیے تو امام کا آگے کھڑا ہونا ضروری ہے، لیکن عورتوں کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔ عورتوں کی جماعت میں امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا شرعی لحاظ سے ٹھیک ہے، اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ عورتوں کے احکام بہت سے مسائل میں مردوں سے الگ ہیں۔

(۴) پردے کے بارے میں بھی وضاحت ضروری ہے۔ اگر عورتوں نے پردے کا مکمل اہتمام کیا ہو تو امام کے صف میں کھڑے ہونے سے پردے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لہٰذا، پردے کی وجہ سے اس عمل کو منع کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۵) آخر میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھیں تو آپ نے مردوں کی جماعت کے لیے ایک خاص طریقہ اختیار کیا، جو ان کے لیے سنت بن گیا۔ لیکن عورتوں کے لیے الگ احکام ہوسکتے ہیں، اور اس پر زیادہ سختی کرنے کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ کہ عورتوں کی جماعت اور امام کے صف میں کھڑے ہونے کے بارے میں شرعی طور پر کوئی پابندی یا سختی نہیں ہے۔ یہ بالکل جائز ہے اور اس پر اعتراضات زیادہ تر غلط فہمی کی بنیاد پر ہیں۔

اطلاق درست نہیں۔ اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے اس کے ممنوع ہونے کی خواتین کے بارے میں بھی کوئی دلیل ثابت نہیں ہے۔ بلکہ صحابہ سے اس کے برعکس بھی منقول ہے، اور یہی میرے دل میں آیا اور اللہ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔

دوسرا طریقہ:

خواتین کی جماعت مستحب ہے یا بدعت؟

اتقانی ''غایۃ البیان'' میں لکھتے ہیں: کہ امام شافعی کے نزدیک خواتین کی جماعت مستحب ہے،(۱) لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ مستحب ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور بیان فرماتے، لہٰذا خواتین کی جماعت بدعت اور مکروہ ہے۔(۲)

اتقانی کے قول کا جواب:

علامہ عینی ''البنایہ'' میں اس کا جواب دیتے ہیں: کہ یہ نہ صرف امام شافعی کا قول ہے بلکہ امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، اور ابن منذر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسے نقل کیا ہے۔ تو اسے بدعت کیسے کہا جاسکتا ہے؟(۳)

---

(۱) أما جماعة النساء ففيها اقوال المشهور المنصوص في الأم والمختصر يستحب لهن الإقامة دون الأذان. (النووي، روضة الطالبين وعمدة المفتين، (بيروت، المكتب الاسلامي، ط:۱۹۹۱م)، ج۱، ص:۱۹۶.

(۲) قال الأترازى وهذا عندنا وعند الشافعي يستحب لنا أنها لو كانت مستحبة لبينها النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم فتكون جماعتهن بدعة ويكره. (بدر الدين العيني، البناية شرح الهداية، امامة المراة للنساء، ج۲ص۳۳۵.

(۳) وروي ابن أبي شيبة حدثنا سفيان بن عيينة، عن عمار الدهني، عن امرأة من قومه اسمها حجيرة، قالت: أمتنا أم سلمة رضي اللّٰه عنها قائمة وسط النساء. حدثنا وكيع عن ابن أبي ليلى، عن عطاء، عن عائشة رضي اللّٰه عنها .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

بدعت کی تعریف:

بدعت کا مطلب تو یہ ہے کہ کوئی ایسا کام شروع کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا ہو، جب کہ امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں باب ''امامۃ النساء'' کے ذیل میں حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے گھر والوں کی امامت کرنے کا حکم دیا تھا۔ (۱)

اس کے بعد علامہ عینیؒ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت کا ذکر کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو بھی بیان کیا (جیسا کہ ماقبل

.....گذشتہ کا بقیہ..... كانت تؤم النساء تقوم معهن في وسطهن. وروت عظمة الحنفية قالت: أمتنا عائشة رضي الله عنها فقامت بينهن في الصلاة المكتوبة، رواه الدارقطني وهو حجة على الشعبي والنخعي حيث قال: تؤمهن في النفل دون الفرض ،وشذ أبو ثور والمزني ومحمد بن جرير الطبرى فأجازوا إمامة النساء على الإطلاق للرجال والنساء. وعن سليمان بن بشار والحسن البصرى ومالک:لا تؤم المرأة أحدا في فرض أو نفل. الثالث: قول المصنف في كراهته جماعة النساء: م: (لأنها لا تخلو عن ارتكاب الممنوع وهو قيام الإمام وسط الصف) ش: فكيف يكون قيام الإمام وسطهن ممنوعا، وقد فعلته عائشة وأم سلمة، وروي عن ابن عباس رضي الله عنه على ما ذكرناه الآن، وأيضا فلقائل أن يقول: ارتكاب الممنوع فيه في حق الرجال دون النساء، إذ لو كان مطلقا لما كان يجوز الصلاة. الرابع: قوله: م: (فيكره) ش: يعنى إذا كان الأمر كذلک يكره فعلهن الجماعة وكيف يكره، وقد ذكر في ''المحلى'': صلت عائشة بهن المغرب جهرت بالقرائة، وصلت أم سلمة العصر. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج۲،ص:۳۳۶)

(۱)حدثنا الحسن بن حماد الحضرمى حدثنا محمد بن فضيل عن الوليد بن جميع عن عبد الرحمن بن خلاد عن أم ورقة بنت عبد الله بن الحارث بهذا الحديث والأول أتم قال وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزورها في بيتها وجعل لها مؤذنا يؤذن لها وأمرها أن تؤم أهل دارها. قال عبد الرحمن فأنا رأيت مؤذنها شيخا كبيرا. (أخرجه أبوداود في سننه، باب امامة النساء، ج۱،ص:۲۳۰،رقم:۵۹۲)

میں ذکر ہو چکا ہے)۔

علامہ لکھنوی کا اعتراض:

میں کہتا ہوں: یہ (مذکورہ) کلام اتقانی کے بیان پر مختلف پہلوؤں سے اعتراضات کی نشاندہی کرتا ہے۔

پہلی بات:

علامہ عینیؒ نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا، وہ یہ ہے کہ اتقانی کی یہ بات کہ ''اگر یہ مستحب ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرماتے'' (یہ بات قابل قبول نہیں ہے)[1] کیوں کہ امام ابو داؤد کی روایت گواہ ہے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان فرمایا ہے)۔

دوسری بات:

علامہ عینی کہتے ہیں کہ اسے ''بدعت کہنا'' بھی مردود ہے؛ کیوں کہ امام ابو داؤد کی روایت موجود ہے، اور بدعت تو اسے کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہو،

---

(۱)قلت:لا مناقضة فيه، ولا يصدق حد عليه؛ لأن المعنى :ويكره للنساء المنفردات عن الرجال أن يصلين بجماعة عنهن. الثانى قال الأترازى وهذا عندنا وعند الشافعي يستحب لنا أنها لو كانت مستحبة لبينها النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم فتكون جماعتهن بدعة ويكره. قلت: قول الشافعي هو قول الأوزاعي والثورى وأحمد رحمه اللّٰه وحكاه ابن المنذر عن عائشة وأم سلمة رضي اللّٰه عنهما فإذا كان كذلك فكيف تكون جماعتهن بدعة؟ والبدعة اسم لإحداث أمر لم يكن في زمان رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم، وقد روي أبو داود في "سننه" في باب إمامة النساء من "حديث أم ورقة بنت عبد الله بن الحارث بن نوفل، وفيه كانت قد قرأت القرآن فاستأذنت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن تتخذ في دارها مؤذنا، فأذن لها وأمرها أن تؤم أهل دارها. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج۲،ص:۳۳۵)

جب کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا، بلکہ اس کا حکم بھی دیا گیا تھا۔

تیسری بات:

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ مزید کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کی ہے، اور حضرت ابن عباس ؓ نے اس کا حکم اور اس کی کیفیت بیان کی، تو یہ بدعت کیسے ہوسکتی ہے؟ کیوں کہ جو کام صحابہ نے کیا، یا جس کا انہوں نے حکم دیا، یا جس پر وہ راضی تھے، وہ بدعت نہیں ہوتا۔

چوتھی بات:

اتقانی نے استحباب کے لیے حضور کے بیان کو جو لازم قرار دیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے ہر جزئی بات کا صراحتاً بیان مراد ہے تو یہ التزام تسلیم نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ ضروری نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے ہر مستحب جز کو الگ الگ بیان کریں۔ کتنی ہی چیزیں ہیں جن کے استحباب کو حضرات فقہاء نے بیان کیا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین طور پر اس کو بیان نہیں کیا ہے۔

پانچویں بات:

اتقانی کا یہ کہنا کہ ''پس یہ بدعت ہوگی'' یہ یا تو نبی کریم صلی للہ علیہ وسلم کی جانب سے استحباب کے نہ بیان کیے جانے پر مبنی ہے، یا پھر اتقانی کے فہم پر مبنی ہے، جو انہوں نے استحباب کے لیے التزام کو ضروری سمجھا ہے، اور دونوں باتیں باطل ہیں۔ پہلی بات اس لیے باطل ہے کہ ہر وہ چیز جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ کیا ہو، بدعت نہیں ہوتی۔ دوسری بات اس لیے باطل ہے کہ ہر وہ چیز جو مستحب نہ ہو، اس کا بدعت ہونا ضروری نہیں ہے۔

چھٹی بات:

اتقانی کا یہ کہنا کہ ''پس یہ مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ بدعت پر مبنی ہے'' یہ بات بھی صحیح

نہیں ہے۔ کیوں کہ ہر بدعت مکروہ نہیں ہوتی۔ ایسی بدعات بھی ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں کیا، لیکن وہ مباح ہیں۔ بعض بدعات واجب ہیں، اور بعض مستحب ہیں البتہ شرعی بدعت سب ضلالت ہیں، لیکن یہ مسئلہ (خواتین کی جماعت) شرعی بدعت نہیں ہے۔ اگر بدعت کے بحث کی تفصیل اور اس کی تحقیق چاہیے، تو میرے دو رسائل ''إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة اور التحقيق العجيب فيما يتعلق بالتثويب'' کی طرف رجوع کیجیے۔[1]

---

(۱) دوسرے طریق کا خلاصہ:

عورتوں کی جماعت اور اس کی امامت کے مسئلے پر علما کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن جب اس پر موجود دلائل کو جانچا جاتا ہے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ عمل جواز اور مشروعیت رکھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر والوں کی امامت کا حکم دیا گیا، جو اس عمل کے جواز کی واضح دلیل ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی جماعت کی امامت نہ صرف ممکن ہے بلکہ عملی طور پر اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس عمل کو جواز کے ساتھ بیان کیا ہے، جو صحابہ کے فہم کو ظاہر کرتا ہے۔

بعض علما نے دلیل دی کہ اگر یہ عمل مستحب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت فرماتے، لیکن یہ دلیل کمزور ہے۔ شریعت میں بہت سے مستحب اعمال ایسے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظاً ثابت نہیں ہے، لیکن علما نے انہیں مستحب قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل بدعت ہے، درست نہیں۔ مزید یہ کہ ہر وہ عمل جو مستحب نہ ہو، اسے بدعت کہنا بھی صحیح نہیں؛ کیوں کہ مستحب نہ ہونا اور بدعت ہونا دو مختلف باتیں ہیں۔

شریعت کے عمومی اصول یہ ہیں کہ احکام مردوں اور عورتوں دونوں پر یکساں طور پر نافذ ہوتے ہیں، جب تک کہ کسی خاص دلیل سے کسی کو مستثنیٰ نہ کیا جائے۔ جماعت کی فضیلت پر وارد عمومی احادیث عورتوں کے لیے بھی کافی ہیں؛ کیوں کہ ان میں مردوں کو خاص نہیں کیا گیا۔ صحابہ اور امہات المؤمنین کے عمل، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، اور شریعت کے اصول اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عورتوں کی جماعت کا قیام جائز ہے اور اسے بدعت یا مکروہ کہنا شرعی دلائل کے خلاف ہے۔

تیسرا طریقہ:

خواتین کی جماعت مشروع ہے یا مکروہ؟

صاحب درایہ نے ''حاشیة الهداية '' میں ذکر کیا کہ اگر خواتین کی جماعت مشروع ہوتی تو ان کا ترک کرنا مکروہ ہوتا، اور یہ اسی طرح عام ہوتی جس طرح مردوں کی جماعت عام ہے۔ اسی طرح کی بات ''المجتبى '' میں بھی ہے۔[1]

پہلی بات:

علامہ عینی ''البنایۃ'' میں اس قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ کہنا کہ اگر عورتوں کی جماعت مشروع ہوتی تو اس کا ترک مکروہ ہوتا، درست نہیں ہے۔ کیوں کہ کسی چیز کے مشروع ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا ترک مکروہ ہو۔ اس لیے کہ اگر مشروع چیز فرض ہو تو اس کا ترک حرام ہوتا ہے۔ اگر سنت ہو تو اس کا ترک مکروہ ہوتا ہے۔ اور اگر مستحب ہو تو اس کا ترک جائز ہوتا ہے اور مکروہ نہیں ہوتا۔[2]

دوسری بات:

ان کا یہ کہنا کہ ''خواتین کی جماعت اسی طرح مشہور ہوتی جیسے مردوں کی جماعت

---

(۱)وقال صاحب "الدراية": ولأن جماعتهن لو كانت مشروعة لزم تركها ولشاعت كما شاعت جماعة الرجال على أنها من الشعائر فيختص بالأذان والخطب والجمع والأعياد؛ ولأن جماعتهن لا تخلو عن ارتكاب محرم؛ لأن في التقدم زيادة كشف، وفي الوسط تركه القيام وكل ذلك حرام. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج۲،ص:۳۳۸)

(۲)قلت: هذا كله مخدوش، أما قوله: لو كانت جماعتهن مشروعة كره تركها، فغير سديد؛ لأنه لا يلزم من كون الشيء مشروعا أن يكره تركه؛ لأن هذا ليس بكلي، فإن المشروع إذا كان فرضا يكون تركه حراما، وإن سنة يكون تركه مكروها، وإن كان ندبا يجوز تركه ولا يكره. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه ،ج۲،ص:۳۳۹)

مشہور ہے'' کئی لحاظ سے قابل نظر ہے۔ کیوں کہ بہت سے مستحبات بلکہ بعض واجبات بھی ایسے ہیں جنہیں مردوں کی جماعت کی طرح شہرت حاصل نہیں ہوئی۔اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ مشروع نہ ہوں، سوائے ان کے جو مردوں کی جماعت کی طرح مشہور ہوں۔

اور اگر کوئی کہے: کہ عورتوں کی جماعت اور مردوں کی جماعت دونوں جنس میں شریک ہیں، لہٰذا ایک کا عام ہونا دوسرے کی عدم مشروعیت کو ظاہر کرتی ہے، جب کہ دیگر مستحبات خواتین کی جنس سے نہیں ہیں، اس لیے ان کا مردوں کی جماعت کی طرح مشہور نہ ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔

تو ہم کہیں گے: تب تو یہ لازم آئے گا کہ صبی ممیّز اور مراہق کی جماعت بھی مشروع نہ ہو، کیوں کہ اگر وہ مشروع ہوتی تو وہ بالغ مردوں کی جماعت کی طرح مشہور ہوتی، اور چوں کہ وہ مشہور نہیں ہے، اس لیے یہ بھی مشروع نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں (بچے اور بالغ مرد) ایک ہی جنس سے ہیں۔

اور ہماری معلومات کے مطابق اس بات کا کوئی قائل نہیں ہے۔

پھر اگر کوئی کہے'' بچے مردوں کے حکم میں ہیں، لہٰذا ان کی جماعت کی شہرت مردوں کی جماعت کی شہرت ہے'' تو ہم کہیں گے: یہ بات تمام احکام میں درست نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بچوں کی امامت درست نہیں ہے اور نہ ان کو صف کے آگے کرنا چاہیے اور نہ ہی دیگر کئی احکام میں وہ مردوں کے برابر ہیں۔

اگر وہ کہیں: '' بچے مردوں کے حکم میں ہیں، سوائے ان امور کے جن میں کوئی دلیل انہیں خاص کرتی ہو۔''

تو ہم کہیں گے: اسی طرح عورتیں بھی مردوں کے حکم میں ہیں، سوائے ان امور کے جن میں کوئی دلیل ان کے انفرادی حکم پر دلالت کرتی ہو۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کی جماعت کی شہرت بچوں کے حق میں کافی نہیں ہے، اور اگر کافی ہے تو یہ عورتوں کے حق میں بھی کافی ہونی چاہیے۔

تیسری بات:

عورتوں کی جماعت کے مشروع ہونے اور اس کے مردوں کی جماعت کی طرح مشہور ہونے کے درمیان جن التزام کی بات کی جارہی ہے، وہ قابل قبول نہیں ہے۔ بلکہ اس پر استدلال قائم کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر دعوی قبول نہیں ہے۔

چوتھی بات:

مردوں کے حق میں جماعت سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے، جیسا کہ جمہور علماء کا اتفاق ہے، اور اس پر احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں۔ مردوں کی جماعت ان کے حق میں شعائرِ دین میں سے ہے، اسی وجہ سے مردوں کی جماعت بالکل عام ہوئی۔ لیکن عورتوں کی جماعت کا معاملہ اس طرح نہیں ہے، کیوں کہ نہ یہ سنت مؤکدہ ہے، اور نہ ہی واجب۔ پس اس کا عام نہ ہونا واجب اور سنت نہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ مستحب اور مشروع نہ ہونے کی وجہ سے۔

پانچویں بات:

دور نبوت اور دور صحابہ میں خواتین کو مردوں کی جماعت میں حاضر ہونے، ان کے ساتھ مساجد میں اقتدا کرنے، جمعہ اور عیدین میں شرکت کرنے کی اجازت دی گئی تھی، جیسا کہ اس پر احادیث دلالت کرتی ہیں۔ ان احادیث میں سے ایک حدیث ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً منقول ہے ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو'' نیز ابن عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث مرفوعا مروی ہے ''اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ

روکو، حالاں کہ ان کے گھروں میں رہنا ان کے لیے بہتر ہے۔''

اسی طرح ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں کو رات کے وقت مساجد جانے کی اجازت دو۔'' ابن عمر کے صاحبزادے نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم انہیں اجازت نہیں دیں گے، کیوں کہ وہ اس (اجازت) کو بہانے کے طور پر استعمال کریں گی''۔ ابن عمرؓ نے اس پر اسے ڈانٹا اور غصہ کیا اور کہا: ''میں کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں اجازت دو، اور تم کہتے ہو کہ ہم اجازت نہیں دیں گے''۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امور کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے ایجاد کر لیے ہیں، تو انہیں مسجد سے منع کر دیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا'' (۲) (یہ روایت ابو داؤد اور دیگر

---

(۱) حدثنا أبو كريب حدثنا أبو معاوية عن الأعمش عن مجاهد عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم لا تمنعوا النساء من الخروج إلى المساجد بالليل فقال ابن لعبد الله بن عمر لا ندعهن يخرجن فيتخذنه دغلا قال فزبره ابن عمر وقال أقول قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم وتقول لا ندعهن. (اخرجه مسلم فی صحيحه. "باب خروج النساء إلى المساجد": ج۱ص:۳۲۶، رقم:۱۳۸، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۲) بحر العلوم (ابو العیاش عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی) فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کا فیصلہ بدل سکتا ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ حکمت والا ہے اور وہ جانتا تھا کہ عورتیں کیا نیا کریں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عورتوں کے مسجد جانے کے بارے میں اس وقت تک کے لیے تھا جب تک فتنے کا اندیشہ نہ ہو، اور جب یہ اندیشہ ختم ہو گیا تو حکم بھی ختم ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے میں وہ حالات دیکھے ہوتے جو بعد میں پیدا ہوئے، تو اللہ کے حکم سے وہ عورتوں کو مسجد جانے سے منع کر دیتے۔ انہوں نے مستقبل کے حالات کا ذکر کیا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاد کے متعلق فرمایا: ''ولما یعلم اللہ الذین آمنو منکم۔ اور اللہ نے ابھی تم میں سے مجاہدین کو نہیں پہچانا..... (عبد الغفور عفی عنہ مصنف کے شاگرد)

محدثین نے بیان کی ہے)۔[۲] ان بابرکت زمانوں میں عورتوں کی علیحدہ جماعتوں کی اتنی ضرورت نہ تھی جتنی مردوں کی جماعت کی تھی، اس لیے خواتین کی جماعت کا رواج عام نہ ہوا جیسا کہ مردوں کی جماعت کا ہوا۔ اگر اس وقت اس کی ضرورت ہوتی تو یہ بھی مردوں کی جماعت کی طرح عام ہو جاتی۔ لہٰذا کسی چیز کا رواج نہ پانا اس کی مشروعیت کے منافی نہیں، خاص طور پر ان زمانوں میں جب خواتین کو جمعہ اور جماعت میں شرکت سے روکا گیا ہو اور انہیں عبادات اور برکتوں میں مردوں کے ساتھ شرکت سے محروم کر دیا گیا ہو۔

چوتھا طریقہ:

خواتین کے لیے اذان کا حکم:

صاحب ''التبیین'' اور صاحب ''الدرایہ'' وغیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ اگر خواتین کی جماعت مشروع ہوتی، تو ان کے لیے اذان کا حکم بھی ہوتا؛ کیوں کہ اذان جماعت کے لیے بلانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس دلیل پر علامہ لکھنوی چند نکتے کی نشان دہی کرتے ہیں:

پہلا نکتہ:

اس لزوم کو قبول نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ حاکم نے ''المستدرک'' میں عبداللہ بن ادریس کے واسطے سے حضرت عطاء کے ذریعے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ اذان دیتی تھیں، اقامت کہتی تھیں اور خواتین کی امامت کرتی تھیں، اور جماعت میں

---

(۲) حدثنا القعنبی عن مالک عن یحیی بن سعید عن عمرة بنت عبد الرحمن أنها أخبرته أن عائشة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قالت لو أدرک رسول الله صلی الله علیه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد کما منعه نساء بني إسرائیل. قال یحیی فقلت لعمرة أمنعه نساء بني إسرائیل قالت نعم:. (اخرجه أبوداود فی سننه، ''باب التشدید في ذالک، خروج النساء إلی المساجد'' ج۱،ص:۲۲۳،رقم:۵۶۹)

ان کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔ یہی بات علامہ عینی نے بھی ذکر کی ہے۔[1]

دوسرا نکتہ:

اگر خواتین کے لیے اذان کی مشروعیت مراد لی جائے تو اس سے جماعت کی مشروعیت لازم نہیں آتی۔ جماعت کی مشروعیت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جماعت کرنے والے اذان بھی دیں۔ مثلاً، اگر کوئی بالغ سمجھدار لڑکا مردوں کی جماعت کے لیے اذان دے دے، تو یہ کافی ہوگا۔ لہٰذا خواتین کے لیے اذان کی مشروعیت نہ ہونے سے ان کی جماعت کی مشروعیت ختم نہیں ہوجاتی۔

تیسرا نکتہ:

مطلقاً جماعت کی مشروعیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اذان بھی مشروع ہو، جیسا کہ عیدین، کسوف اور استسقاء کی نماز میں بھی جماعت مشروع ہے لیکن اذان مشروع نہیں ہے، تو اسی طرح خواتین کی جماعت بھی بغیر اذان کے مشروع ہوسکتی ہے۔

چوتھا نکتہ:

اگر مان بھی لیا جائے کہ ان کے لیے اذان مشروع نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اذان فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔ فقہاء نے واضح کیا ہے کہ عورت کی آواز کا بلند کرنا عیب ہے (عورت کی آواز ستر میں شامل ہے)۔ لہٰذا، ان کے اذان کی مشروعیت نہ ہونے سے ان کی جماعت کی مشروعیت ختم نہیں ہوجاتی۔

پانچواں نکتہ:

اذان کی مشروعیت کا تعلق ان جماعتوں سے ہے جو فرض یا سنت مؤکدہ میں شامل ہوں، اور شعائر اسلام کا حصہ ہوں۔ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ خواتین کی جماعت فرض یا سنت مؤکدہ نہ ہو، لیکن مطلقاً عدم مشروع ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

---

(۱) یہ حدیث باب اول میں مذکور ہے۔

چھٹا نکتہ:

خواتین کے لیے اذان کی مشروعیت نہ ہونا کوئی ایسا متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے کہ اس سے ان کی جماعت کی مشروعیت پر استدلال کیا جا سکے۔ بلکہ جو لوگ خواتین کی جماعت کو مستحب سمجھتے ہیں، وہ ان کی اذان اور اقامت کو بھی مستحب کہتے ہیں۔ ''البنایۃ'' میں علامہ عینی لکھتے ہیں: عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے، اگرچہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں''۔ امام احمد اور امام ابوثور کا بھی یہی قول ہے،[۱] جب کہ امام شافعیؒ کے تین اقوال ہیں: سب سے صحیح قول، جو ''الأم'' میں مذکور ہے، یہ ہے کہ خواتین کے لیے اقامت مستحب ہے لیکن اذان نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اذان اور اقامت دونوں نہیں ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اذان اور اقامت دونوں مستحب ہے۔[۲]

شرح الوجیز میں کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف اس بات کو متاثر نہیں کرتی کہ آیا وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں یا اکیلی۔[۳]

پانچواں طریقہ:

خواتین کی جماعت کے عدم استحباب کے دلائل کا جائزہ:

خواتین کی نماز گھر کی کوٹھری میں:

''التبیین'' وغیرہ میں کیا گیا ہے، کہ (خواتین کی جماعت کے عدم استحباب پر) اس

---

(۱) وليس على النساء أذان وإقامة وبه قال مالک وأحمد وأبو ثور وجماعة من التابعين، وكذا لو صلين بجماعة. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج۲،ص:۱۱۲)

(۲) وللشافعي في جماعة النساء ثلاثة أقوال أصحها وهو ما نصه في الأم أنه يستحب لهن الإقامة دون الأذان. والثاني: أنه لا أذان ولا إقامة. والثالث: أنه يستحب الأذان والإقامة. (بدر الدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج۲،ص:۱۱۲)

(۳) وفي ''شرح الوجيز'' ولا يختص هذا الخلاف فيما إذا صلين بجماعة أو وحدهن. (بدر الدين العيني، البناية شرح الهداية. الأذان قبل دخول الوقت: ج۲،ص:۱۱۲)

حدیث سے استدلال کرنا کہ ''خواتین کی نماز اس کے گھر میں اس کی کوٹھری کی نماز سے افضل ہے''۔ اشکال پیدا کرتا ہے، اس لیے کہ حدیث صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کی نماز اپنے گھر میں، کوٹھری کی نماز سے افضل ہے، اور اس کی کوٹھری کی نماز اس کے اندرونی کمرے کی نماز سے افضل ہے، اور یہ حدیث اس پر بھی (دلالت کرتی ہے) کہ عورت کو نماز کے وقت زیادہ سے زیادہ پردہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ لیکن اس سے جماعت کی کراہت پر کوئی دلالت نہیں ہے، بلکہ عورت کا اپنے گھر، کوٹھری یا اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا انفرادی ہو یا جماعت کے ساتھ، دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ حدیث انفرادی نماز پر دلالت کرتی ہے تو بھی جماعت کی کراہت تحریمی پر کوئی دلالت نہیں ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ انفرادی نماز کی افضلیت پر دلالت کرے گی۔

یہ تمام باتیں ان طریقوں پر گفتگو کے سلسلے میں تھی جن کو کراہت ثابت کرنے کے لیے اپنایا گیا تھا، اور یہ ظاہر ہو چکا کہ ان میں سے کسی بھی طریقہ سے کراہت پر استدلال نہیں ہوتا۔

حدیث کا محمل:

اس کے علاوہ اور کچھ باتیں ہیں، اور وہ یہ کہ خواتین کی جماعت کو مکروہ قرار دینا ان آثار اور روایات کے خلاف ہے جو اس کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اور فقہا نے ان روایات کا مختلف طریقوں سے جواب دیا ہے۔ صاحب ''الدرایۃ'' نے ام ورقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت رابطہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے بارے میں کہا: کہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا اور رابطہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ابتدائے اسلام کی تھی یا جواز کی تعلیم کے لیے تھی، نیز ام ورقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر محدثین

نے کلام کیا ہے۔[1]

اسی طرح صاحب بحر، صاحب الہدایہ، صاحب المجتبی، جامع المضمرات، اور دیگر علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت والی روایت کو اسلام کے ابتدائی دور پر محمول کیا ہے۔ زیلعی نے ''کنز کی شرح'' میں اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ عمل اس وقت کیا جب عورتوں کی جماعت مستحب تھی، پھر بعد میں اس استحباب کو منسوخ کر دیا گیا۔

لیکن ہمارے محققین علماء نے ان تمام جوابات کا سرے سے رد کیا ہے۔

حدیثِ اُمِ ورقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ جواب کہ ''اس میں کلام ہے'' اس کا علامہ عینی نے رد کیا ہے، جیسا کہ پہلے باب میں ذکر ہو چکا۔

ابتداء اسلام والے قول کا رد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت والی حدیث کا جواب کہ ''اس کا تعلق اسلام کے ابتدائی دور سے تھا'' علامہ سروجی نے شرح الہدایہ میں اس کا جواب دیا ہے، جہاں صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے ''ان کے فعل کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا گیا''۔ سروجی کہتے ہیں: اس میں نظر ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں نبوت کے بعد تیرہ سال مقیم رہے، جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، پھر مدینہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی پھر وہ نو سال تک آپ کے پاس رہیں، اور انہوں نے امامت اس وقت کی جب وہ بالغ ہو چکی تھیں۔ تو یہ ابتدائے اسلام سے کیسے

---

(۱) وأما حديث أم ورقة ورايطة كان في ابتداء الإسلام أو تعلما للجواز مع أن في حديث أم ورقة مقالا عند أهل الحديث. (بدر الدين العيني، البنايه شرح الهدايه، ج۲، ص:۳۳۹)

متعلق ہوسکتا ہے؟ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فعل منسوخ ہے، اورانہوں نے یہ اس وقت کیا جب عورتیں جماعت میں شریک ہوتی تھیں۔ (۱)

علامہ ابن ہمام نے اس کو فتح القدیر (۲) میں نقل کیا ہے اوراس کی تائید کی ہے: صاحبِ عِنایہ نے بھی اسے نقل کیا اور صاحبِ ہدایہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا: یہ ممکن ہے کہ ''ابتدائے اسلام'' سے مراد وہ دور ہو جو نسخ سے پہلے کا ہو، کیوں کہ نسبتاً بعد کے مقابلے میں یہ ابتدائی دور کہلاتا ہے۔

سروجی کی طرح علامہ عینی نے بھی البِنایہ میں صاحبِ ہدایہ کے اس کلام پر اعتراض کیا ہے، اور صاحبِ عِنایہ کے جواب کو رد کیا، چناں چہ صاحب عنایہ نے ہدایہ کے اس مقام پر لکھا ہے کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، کہ جب حضرت عائشہؓ نے جماعت کی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مستحب ہے، اس لیے مکروہ نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا گیا۔

علامہ لکھنوی کا جواب:

میں کہتا ہوں: یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے کتبِ احناف کو نہیں دیکھا، کیوں کہ نبی

---

(۱) قلت: هذا كلام من لم يطلع في كتب القوم، وأمضى فيه لأنه عليه الصلاة والسلام أقام بمكة بعد النبوة ثلاث عشرة سنة كما رواه البخاري ومسلم ثم تزوج عائشة بالمدينة وبنى بها وهي بنت تسع وبقيت عند النبي صلى الله عليه وسلم تسع سنين، وما صلت إماما إلا بعد بلوغها، فكيف يستقيم حمله على ابتداء الإسلام، وتصدى الأكمل للجواب عن هذا وقال: يجوز أن يكون المراد بابتداء الإسلام ما قبل بيان الانتساخ، فإنه ابتدأ بالنسبة إليه. (بدر الدين العيني، البنايه شرح الهدايه ج۲،ص:۳۳۸)

(۲) فتح القدیر: محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید ابن مسعود، السیواسی الاسکندری، کمال الدین، المعروف ابن الہمام کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے، یہ ہدایہ کی شرح ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک بحث کا دوسرے بحث کے ساتھ ربط بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً ''باب صلوۃ الجمعۃ'' کا ''باب صلوۃ المسافر'' کے ساتھ یوں ربط بیان کیا گیا ہے وغیرہ۔ (فتح القدیر: ج۱،ص:۸)

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں نبوت کے بعد تیرہ سال رہے، جیسا کہ بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، پھر مدینہ میں حضرت عائشہ سے نکاح کیا اور ان کے ساتھ رخصتی اس وقت ہوئی جب وہ نو سال کی تھیں، اور انہوں نے امامت بالغ ہونے کے بعد کی، تو یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ اسے اسلام کے ابتدائی دور پر محمول کیا جائے؟

نسخ سے پہلے کا حکم کہنے والوں کا رد:

ابتداء اسلام پر محمول کرنے کے حوالے سے اکمل الدین البابرتی نے یہ کہا ہے کہ: ممکن ہے کہ ''ابتداء اسلام'' سے مراد نسخ سے پہلے کا زمانہ ہو۔

میں (صاحب عنایہ) کہتا ہوں: یہ بات پہلی بات سے بھی بعید ہے؛ کیوں کہ یہ عمل ابتدائے اسلام میں نہیں تھا جیسا کہ مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ پس جب معاملہ ایسا ہو تو اسے نسخ سے پہلے کے دور پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے؟[1]

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت ابتدائے اسلام پر محمول ہے، اگر اس کی مراد یہ ہو کہ یہ منسوخ ہے، تو اس کے ساتھ گفتگو اسی طرح ہوگی جیسے نسخ کا دعویٰ کرنے والے کے ساتھ ہوتی ہے۔ (اس پر دلیل کیا ہے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بہت بعد میں ہوا تو نسخ کب ہوا؟)، اور اگر یہ مراد نہ ہو تو یہ ایسا قول ہے جس پر اہل علم کو حیرت ہے۔

منسوخ قول کا رد:

جہاں تک حضرات فقہاء کے اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا عمل منسوخ تھا اور وہ اس وقت تھا جب عورتوں کی جماعت مستحب تھی، یہ تین وجوہات سے کمزور ہے۔

---

(۱) قلت: هذا أبعد من الأول؛ لأن هذا لم يكن في ابتداء الإسلام على ما دلت عليه الأخبار المذكورة، فإذا كان كذلك كيف يحمل هذا على ما قبل الانتساخ. (بدر الدين العيني، البنايه شرح الهدايه: ج۲، ص: ۳۳۸)

پہلا یہ کہ ہمارے نزدیک صفت وجوب کی نفی، صفت جواز کی نفی کو مستلزم ہے، جیسا کہ اصول میں معروف ہے۔ اور اس میں وجوب اور سنت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس جب سنیت منسوخ ہوگئی تو جواز بھی منسوخ ہوگیا۔ پھر منسوخ سے استدلال کرنا، جیسا کہ ہمارے بعض اصحاب نے کیا ہے، درست نہیں ہے اس طور پر کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے عمل سے عورتوں کی جماعت کے جواز پر استدلال کیا، حالاں کہ وہ خود اسے منسوخ بھی کہتے ہیں۔

صاحبِ عنایہ کا جواب:

صاحب عنایہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ جو جواز ہے وہ کراہت کے ساتھ باقی ہے، اور جو جواز سنت کے ضمن میں تھا وہ نسخ کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اور اس سے صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ سنت تھی جو منسوخ ہوگئی، اور زمانہ حاضر میں یہ جواز اس وقت تک رہے گا جب تک شرائط پوری ہوتی رہیں اور موانع نہ پائے جائیں، باوجود اس کے کہ اس میں کراہت کا پہلو شامل ہے جس سے ممنوع امور کے ارتکاب کا خدشہ بھی شامل ہوسکتا ہے۔ علامہ عینی نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہا: اس میں نظر ہے، کیوں کہ جس نے نسخ کا دعویٰ کیا ہے، اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے۔ (۱)

دوسری وجہ:

ابن الہمام نے سروجی کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: مستدرک میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان دیتی تھیں، اقامت کہتی تھیں، عورتوں کی امامت کرتی تھیں،

---

(۱) والجواب عن الأول أنه يجوز أن يكون المراد بابتداء الإسلام ما قبل النسخ، فإنه ابتداء بالنسبة إلى ما بعده. وعن الثاني بأن الجواز الباقي جواز في ضمن الكراهة، والذي كان في ضمن السنة نسخ معها، والاستدلال بفعلها لبيان أنها كانت سنة ونسخت، وإنما جوزت في زماننا بمقتضى الجواز الذي كان من استجماع شرائطه وانتفاء موانعه مع ما يوجب كراهته من ارتكابه المحرم. (البابرتي، كمال الدين، العناية شرح الهداية، ،ج۱،ص:۳۵۴)

اوران کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔[1] اسی طرح امام محمد کی کتاب ''کتاب الآثار'' میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینے میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اورصف کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔ اورتراویح کی جماعت باضابطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قائم ہوئی۔ ابوداؤد میں حضرت اُم ورقہ بنت عبد بن حارث بن عمیر انصاریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ روایت ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے لیے روانہ ہوئے الخ (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں اذان دینے والا مقرر کیا اورانہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کریں) پھراس روایت کو ولید بن جمیع نے عبدالرحمٰن بن خالد کے واسطے سے اُن سے نقل کیا ہے، اوراس میں یہ بات ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے جاتے تھے، اوران کے لیے ایک مؤذن مقرر کیا، اورانہیں حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کی امامت کریں''۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں: میں نے اُن کے مؤذن کو ایک بوڑھے شخص کی صورت میں دیکھا۔ یہ تمام امور نسخ کے ثبوت کو رد کرتے ہیں۔

اوراس آخری روایت میں ولید اورعبدالرحمٰن ہیں۔ ابن القطان نے کہا: ان دونوں کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ لیکن ابن حبان نے ان دونوں کو الثقات (قابل اعتماد راویوں) میں شمار کیا ہے۔

پھر ابن الہمام لکھتے ہیں: اس بات کا جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ اس مواظبت (پابندی) کی خبر ہو جو نسخ سے پہلے تھی۔[2]

---

(۱)ما رواه الحاكم في ''المستدرک''عن عبد الله بن إدريس عن عطاء عن عائشة رضي اللّٰه عنها أنها كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء فتقوم وسطهن. (بدر الدين العيني، البنايه شرح الهدايه ،ج۲،ص:۳۳۹)

(۲)وقد ذكرهما ابن حبان في الثقات وقد يجاب بجواز كونه إخبارا عن مواظبة كانت قبل النسخ. (ابن الهمام، شرح فتح القدير،ج۱،ص:۳۵۴)

اشکال:

اور یہ کہ وہ رمضان میں امامت کرتی تھیں، اس سے تراویح کی نماز لازم نہیں ہے۔ اور یہ کہ ان کے لیے مؤذن مقرر کیا گیا اور انہیں امامت کا حکم دیا گیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک جاری رہی ہو۔

عبدالرزاق نے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ ابراہیم بن محمد نے داؤد بن الحصین کے واسطے سے انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ: ''عورت عورتوں کی امامت کرے اور ان کے درمیان کھڑی ہو، یہ روایت اس بات کی دلیل نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس حکم کے باقی رہنے کا علم تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس صورت کے لئے ہو جس میں عورت بالفرض اگر امامت کرنا ہی چاہیں تو درمیان میں کھڑی ہو (یعنی علی سبیل الفرض والتقدیر) یا شاید ابن عباس رضی اللہ عنہ کو منسوخ ہونے کا علم نہ ہو۔

جواب:

میں کہتا ہوں: یہ تمام باتیں، کمزور ہیں، کیوں کہ اس قسم کے غیر واضح اور کمزور احتمالات اس وقت تک قبول نہیں کیے جا سکتے جب تک کہ ناسخ کو واضح نہ کیا جائے، اور اگر ناسخ موجود نہ ہو، تو ان احتمالات کا کوئی فائدہ نہیں۔

تیسری وجہ:

ابن ہمام نے بھی اس کلام کے بعد ذکر کیا: ''لیکن اس کے بعد ناسخ کو معین کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے، کیوں کہ دعوائے نسخ لازمی ہے لیکن وہ ثابت نہیں ہوا۔[1]

---

(۱) بحر العلوم (ابو العیاش عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی) نے اپنی کتاب ''رسائل الاذکار'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے: اس بنیاد پر کراہت کا دعویٰ مشکل ہے اور اس کے لیے دلیل درکار ہے، اور ابن الہمام کا میلان کراہت نہ ہونے کی طرف ہے''۔ .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

اور بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ ممکن ہے کہ ناسخ وہ حدیث ہو جو سنن ابوداؤد اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے ''عورت کی اپنے گھر میں نماز اس کی حجرے میں نماز سے افضل ہے، اور اس کی مخدع (کوٹھری) میں نماز اس کے گھر کی نماز سے افضل ہے''۔ اس کا مطلب گھر میں موجود وہ کمرہ ہے جہاں چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔

اور ابن خزیمہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ: ''اللہ کے نزدیک عورت کی سب سے محبوب نماز وہ ہے جو اس کے گھر کے سب سے زیادہ تاریک کونے میں ہو''۔ اس حوالے سے ابن حبان کی بھی ایک حدیث ہے کہ عورت اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے سب سے اندرونی اور تاریک حصے میں نماز پڑھتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ مخدع (کمرہ) جماعت کے لیے کافی نہیں ہوتا، اور یہی حال گھر کے سب سے تاریک اور پوشیدہ مقام کا بھی ہے۔ (۱)

نتیجہ:

لیکن جو اشکال ہے وہ مخفی نہیں ہے، اگر ہم یہ مان بھی لیں تو یہ صرف سنیت کا منسوخ ہونا ثابت کرتی ہے۔ اس سے کراہت تحریمی کا ثبوت لازم نہیں آتا بلکہ زیادہ سے زیادہ

.....گذشتہ کا بقیہ..... فتح الودود میں سنن ابی داؤد کے حاشیہ میں حدیث ام ورقہ کے تحت فرمایا: ''یہ حدیث عورتوں کی امامت کے جواز پر دلالت کرتی ہے، اور جو لوگ عورتوں کی جماعت کو مکروہ کہتے ہیں، وہ اس حدیث کو منسوخ سمجھتے ہیں، لیکن ابن الہمام اور دیگر علماء ناسخ کے ثابت ہونے کو انکار کرتے ہیں۔ ''میں کہتا ہوں: یہی حق ہے، اور حق پیروی کے لائق ہے، جیسا کہ استاذ علامہ مدظلہ نے اس کو محقق فرمایا ہے، انصاف کی نظر سے دیکھو اور تعصب اور زیادتی کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ (محمد عبدالغفور، مصنف کے شاگرد مدظلہ)

(۱) وروى ابن خزيمة عنه صلى الله عليه وسلم: إن أحب صلاة المرأة إلى الله في أشد مكان في بيتها ظلمة، وفي حديث له ولابن حبان. هو أقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها. ومعلوم أن المخدع لا يسع الجماعة، وكذا قعر بيتها وأشده ظلمة. ولا يخفى ما فيه. (ابن الهمام، شرح فتح القدير، ج۱، ص:۳۵۴)

تنزیہی یعنی خلاف اولی کہا جاسکتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کی طرف بھی جائیں۔ کیوں کہ مقصود حق کی پیروی ہے اب چاہے حق جہاں ہو۔

مصنف کی وضاحت:

میں کہتا ہو کہ ابن ہمام نے اپنے آخری کلام میں اس طرف اشارہ کیا کہ کراہت تحریمی کا قول درست نہیں ہے، اور جہاں حق ہو، اس کی پیروی زیادہ بہتر ہے۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہو، جب کہ آثار اور احادیث مشروعیت پر دلالت کر رہی ہے اور اس کے لیے کوئی ناسخ نہیں ہوا۔ اور اس کو ابتداء اسلام پر محمول کرنا بھی درست نہیں ہے، اور کراہت کی جو علتیں ذکر کی گئی ہیں، وہ سب کمزور ہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں کی جماعت خلافِ اولیٰ ہے، اس کے مطابق جو ابوداؤد، ابن خزیمہ، اور دیگر محدثین کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

اشکال اور جواب:

اگر آپ کہیں کہ ذکر کردہ احادیث جماعت کے استحباب پر دلالت نہیں کرتیں، بلکہ یہ صرف جواز کی تعلیم دینے کے لیے تھیں، جیسا کہ صاحب الدرایہ نے اشارہ کیا ہے۔ تو میں کہتا ہوں: یہ بات کم از کم کراہتِ تحریمی کا تو انکار کر دیتی ہے۔ کیوں کہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو جماعت قائم کرنے کا حکم نہ دیتے، اور نہ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا ایسا عمل کرتیں۔ اور ظاہر یہی ہے کہ محمد بن حسن نے اپنی کتاب ''الآثار'' میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، جہاں فرمایا: ''ہمیں یہ پسند نہیں'' جیسا کہ باب اول میں نقل کیا گیا۔

ان تمام باتوں سے جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ (عورتوں کی جماعت کو) مکروہ قرار دینا، خاص طور پر کراہتِ تحریمی کے درجے میں؛ بعض مشائخ کی اپنی آراء اور قیاسات پر

مبنی ہیں، نہ کہ ائمہ (فقہا) کے اقوال پر۔ ممکن ہے کہ ان کے کلام کا کوئی ایسا پہلو ہو جس پر ہم مطلع نہ ہو سکے ہوں، لیکن جس پر ہمیں اطلاع ملی، ہم نے اس کی وضاحت کر دی۔ ہر علم والے سے بڑا علم رکھنے والا ہے، اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور وہ بڑے فضل والا ہے۔

تیسرا باب:

خواتین کی امامت کے تعلق سے علماء احناف کے نظریات

امام بیہقی نے ''الشامل'' میں فرمایا ہے کہ عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے، کیوں کہ یہ جماعت کی سنت ہے اور خواتین پر جماعت واجب نہیں ہے۔ نیز ان کی آواز کا چھپانا واجب ہے؛ کیوں کہ وہ ستر کے حکم میں ہے، جیسا کہ ''جامع المضمرات'' میں مذکور ہے۔ اور مواہب الرحمٰن میں ہے کہ عورتوں کے لیے اذان دینا بالاتفاق مکروہ ہے اور ان کے لیے اقامت بھی ممنوع نہیں ہے۔

خواتین کے لئے اذان کا حکم:

فتح القدیر کے اذان کی بحث میں مذکور ہے کہ ہمارے اصول کے مطابق ہر فرض نماز کے لیے اذان دینا مشروع ہے، خواہ وہ ادا ہو یا قضا، سوائے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز کے؛ کیوں کہ اس میں اذان واقامت مکروہ ہے۔ اسی طرح وہ نماز جو خواتین باجماعت ادا کرتی ہیں یا قضا کرتی ہیں، ان کے لیے اذان مکروہ ہے؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بغیر اذان اور اقامت کہ اس وقت نماز پڑھائی جب ان کی جماعت مشروع تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منفرد عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے؛ کیوں کہ جب جماعت مشروع تھی تو ترک کرنا سنت تھا۔ تو انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی حالت میں بدرجہ اولی ترک بہتر ہوگا۔[1] اور اس میں پوشیدہ اسرار ورموز سے وہ شخص واقف ہے جو پچھلی بحثوں کو پڑھ چکا ہے۔

---

(۱) ثم الأصل عندنا أن يؤذن لكل فرض أدى أو قضى .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

خواتین کی جماعت مکروہ تحریمی ہے:

فقہا کے کلام اور تعلیل کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی اپنی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔اس لیے کہ ابن الہمام نے ''فتح القدیر'' میں صاحبِ ''ہدایہ'' کے قول ''لانھا لاتخلوعن ارتکاب محرم الخ ''[1] (کیوں کہ یہ ممنوع کام کے ارتکاب سے خالی نہیں ہوتی)۔'' کے بارے میں فرمایا: یہ بات صریح ہے کہ مرد امام کو آگے نہ کرنا ممنوع ہے۔شارح نے بھی اسی بات کی وضاحت کی ہے اور کافی میں اس کو مکروہ کہا ہے، اور یہی حق ہے، یعنی کراہتِ تحریمی ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل بلاترک کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے، اور کراہتِ تحریمی نہ ہونے کی صورت میں، حرام کا لفظ مجازی معنی میں ہے۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خواتین کی جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ کسی معین فعل کا ملزوم اس فعل کے حکم کا ملزوم ہوگا۔

عورت کا امام بننے پر کراہت کی وجہ:

برجندی نے ''شرح النقایہ'' میں ذکر کیا کہ ''اگر عورت اپنے پیچھے موجود خواتین سے

.....گذشتہ کا بقیہ.....إلا الظهر يوم الجمعة في المصر فإن أدائه بهما مكروه، روي ذلك عن علي، وإلا ما توؤيه النساء أو تقضيه بجماعتهن لأن عائشة رضي اللّٰه عنها أمتهن بغير أذان ولا إقامة حين كانت جماعتهن مشروعة وهذا يقتضى أن المنفردة أيضا كذلك، لأن تركهما لما كان هو السنة حال شرعية الجماعة كان حال الإفراد أولى، واللّٰه سبحانه أعلم. (ابن الهمام ،فتح القدير باب الأذان'':ج۱،ص:۲۵۱، بیروت ،دارالفکر)

(۱)(قوله لأنها لا تخلو إلخ) صريح في أن ترك القدم لإمام الرجال ممنوع، وكذا صرح الشارح وسماه في الكافي مكروها وهو الحق: أي كراهة تحريم، لأن مقتضى المواظبة على التقدم منه صلى الله عليه وسلم بلا ترك الوجوب فلعدمه كراهة التحريم فاسم الممنوع مجاز، واستلزم ما ذكر أن جماعة النساء تكره كراهة تحريم لأن ملزوم متعلق الحكم: أعني الفعل المعين ملزوم لذلك الحكم. (ابن الهمام، شرح فتح القدير ،ج۱،ص:۳۵۲)

آگے بڑھ جائے تو جائز ہے''، منح الغفار شرح تنویر الأبصار میں ان کے قول ''یقف'' (کھڑی ہو) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ (خاتون امام کے لئے وسط میں کھڑا ہونا) واجب ہے، اور اگر وہ آگے بڑھ جائے تو گنہگار ہوگی، جیسا کہ علامہ کمال الدین نے ''فتح'' میں صراحت کی، لیکن نماز صحیح ہوگی، اور اگر وہ درمیان میں کھڑی ہو تو بھی کراہت ختم نہیں ہوگی۔

''السراج'' میں ہے: اگر وہ پیچھے ہٹ جائے تو ہمارے نزدیک اقتدا صحیح نہیں ہوگی؛ کیوں کہ امامت کی شرط یعنی ''مقتدی سے پیچھے نہ ہونا'' مفقود ہے۔

فرائض ونوافل دونوں میں کراہت ہے:

فرض نمازوں اور دیگر نمازوں، جیسے تراویح میں خواتین کی جماعت کی کراہت میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے جنازے کی نماز کے؛ کیوں کہ اس میں کراہت نہیں ہے، جیسا کہ ''النہر الفائق (حوالہ)'' اور ''الدر المختار'' (حوالہ) وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔[1]

عورت اگر خلیفہ بن جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر مرد امام کسی عورت کو اپنا نائب (خلیفہ) بنائے اور اس کے پیچھے مرد اور خواتین دونوں ہوں، تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ مردوں کی نماز کا فاسد ہونا ظاہر ہے، اور خواتین کی نماز اس لیے فاسد ہوگی کہ وہ کامل تحریمہ میں داخل ہوئی تھی، جیسا کہ ''السراج الوہاج'' میں ذکر ہے۔[2]

---

(۱) وكره أيضًا تحريمًا (جماعة النساء) للزوم أحد المكروهين أعني: قيام الإمام وسط الصف أو تقدمه لا فرق في ذلك بين الفرائض وغيرها كالتراويح إلا الجنازة فإنها غير مكروهة. (ابن نجيم، النهر الفائق شرح كنز الدقائق (بيروت، دار الكتب العلمية، ط:۱، ۲۰۰۲م)، ج۱، ص:۲۴۴)

(۲) قال في (السراج): إلا إذا استخلفها الإمام وكان خلفه رجال ونساء حيث تفسد صلاة الكل أما الرجال فظاهر وأما النساء فلأنهن دخلن في تحريمة كاملة. (ابن نجيم، النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج۱، ص:۲۴۴)

''ردالمحتار'' میں ہے کہ مردوں اور امام کی نماز کا فاسد ہونا اس وجہ سے ہے کہ مرد کا عورت کی اقتداء کرنا صحیح نہیں ہے، اور خواتین کی نماز کا فاسد ہونا اس لیے ہے کہ وہ کامل تحریمہ میں داخل ہوئی تھیں، اور جب وہ ایک ناقص تحریمہ میں منتقل ہوئیں تو یہ جائز نہیں رہا، گویا کہ انہوں نے ایک فرض سے دوسرے فرض میں انتقال کیا، جیسا کہ ''البحر'' میں مذکور ہے۔ اور اس تعلیل کا ظاہر فساد نماز کا تقاضہ کرتا ہے، اور اگر اس کے پیچھے صرف خواتین ہوں تو بھی نماز فاسد ہوگی، جیسا کہ ابوالسعود نے کہا ہے۔ اور سب سے ظاہر دلیل یہ ہے کہ امام اپنی خلیفہ (عورت) کے پیچھے مقتدی بن جاتا ہے، جس سے اس کے پیچھے والوں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے، بلکہ امام کا ایسے شخص کو خلیفہ بناتے ہی جو امامت کے لائق نہیں ہے، امام کی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے، تو اسی طرح پیچھے والوں کی بھی نماز فاسد ہوجائے گی۔ رحمتی۔ (۱)

جنازہ کی نماز میں عورت کا امام بننا:

عورت جنازے کی نماز میں امامت نہیں کرسکتی، اور اگر وہ مردوں کی امامت کرے تو اس کی نماز درست ہوجائے گی، اور فرض ساقط ہوجائے گا، لیکن مردوں کی نماز اس کے پیچھے باطل ہوجائے گی۔ ''الاشباہ والنظائر'' اور اس کے حواشی میں اسی طرح مذکور ہے۔ (۲)

---

(۱) أما الرجال والإمام فلعدم صحة اقتداء الرجال بالمرأة، واما النساء والمقدمة فلانهن دخلن في تحريمة كاملة فإذا انتقلن إلى تحريمة ناقصة لم يجز، كأنهن انتقلن من فرض إلى فرض آخر كما في البحر وحواظر التعليل يقتضي الفساد ولو كن نساء خُلّصاً، افاده أبو السعود. والاظهر التعليل بأن الإمام يصير مقتدياً بخليفته فتفسد صلاة من خلفه، بل باستخلافه من لا يصلح للإمامة تفسد صلاته فكذا من خلفه رحمتي. (ابن عابدين، رد المحتار. "باب الامامة": ج۴،ص:۲۵۷)

(۲) ولا توم في الجنازة، ولو فعلت سقط الفرض بصلاتها. (ابن نجيم، الاشباه والنظائر (بيروت، دار الكتب العلميه، ج۱،ص:۳)

پہیلی:

اس مسئلہ سے ایک پہیلی بھی بنائی جاسکتی ہے، یوں کہا جاسکتا ہے: کون سا ایسا مرد ہے جو امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن امام کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور اس کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

خنثی کا امام بننا:

خنثیٰ اگر عورتوں کی امامت کرے تو اسے ان کے درمیان کھڑا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ان کے آگے کھڑا ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اگر وہ عورتوں کے درمیان کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو اس کی نماز اس کی مردانگی کے احتمال کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی، اور ان عورتوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ جیسا کہ ''الدر المختار'' اور اس کے حواشی میں مذکور ہے۔[1]

یہ بھی ایک پہیلی بنائی جاسکتی ہے، یوں کہا جاسکتا ہے: کون سا امام ایسا ہے جو صف کے درمیان کھڑا نہیں ہوسکتا، اور اگر وہ درمیان میں کھڑا ہو تو اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

عورت کب مرد کی امام بن سکتی ہے؟

''عبد البر بن الشحنة الحلبی'' نے اپنی کتاب ''الذخائر الأشرفية في ألغاز الحنفية'' میں ذکر کیا: ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کہا جائے: عورت کب مردوں کی

---

(۱) يكره تحريما (جماعة النساء) ولو في التراويح في غير صلاة جنازة (لانها لم تشرع مكررة) فلو انفردن تفوتهن بفراغ إحداهن، ولو أمت فيها رجالا لا تعاد لسقوط الفرض بصلاتها إلا إذا استخلفها الإمام وخلفه رجال ونساء فتفسد صلاة الكل (فإن فعلن تقف الإمام وسطهن) فلو قدمت أثمت إلا الخنثى فيتقدمهن (كالعراة) فيتوسطهم إمامهم. (الحصكفي، الدر المختار شرح تنوير الأبصار (بيروت، دار الكتب العلميه، ط: ج۱، ۲۰۰۲م)، ج۱، ص: ۷۷.

امام بن سکتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ سجدہ تلاوت میں امام بن سکتی ہے۔

مردوں کا عورت کی اقتدا کرنا:

مردوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی عورت کی اقتدا کرے؛ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو پیچھے رکھو جیسا کہ اللہ نے انہیں پیچھے رکھا ہے، اس لیے ان کو آگے کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ہدایہ اور دیگر کتب میں مذکور ہے۔ علامہ عینی نے ''البنایہ'' میں لکھا ہے:[1] یہ قول مرفوع نہیں ہے، بلکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقوف قول ہے، جسے عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف'' میں سفیان ثوری سے، انہوں نے اَعمش سے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے ابومعمر سے، اور انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طریق سے عبدالرزاق کے توسط سے اسے طبرانی نے اپنی ''معجم'' میں بھی روایت کیا ہے۔ اس سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ ابوزید نے ''الاسرار'' میں کہا ہے کہ ''حیث کا لفظ مکان کے بارے میں ہے، اس لیے ان کے مقام (مکان) کو پیچھے کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة ولا صبي، أما المرأة فلقوله عليه السلام أخروهن من حيث أخرهن الله، فلا يجوز تقديمهاش: هذا غير مرفوع، وهو موقوف على عبد الله بن مسعود أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" عن سفيان الثوري، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن أبي معمر، عن ابن مسعود، ومن طريق عبد الرزاق رواه الطبراني في "معجمه" ولم أر أحدا من شراح "الهداية" تعرض لحال هذا الخبر، وكتب أصحابنا معتبرة، وذكره الكبائر أي من الشافعية في كتاب بعض ما تفرد به أحمد بن حنبل، وذكره أيضا ابن قدامة في "المغني" وابن حزم في "المحلى" وجه الاستدلال بقوله: من حيث أخرهن الله، ما قال أبو زيد في "الأسرار": إن حيث عبارة عن المكان ولا مكان يجب تأخرهن فيه إلا مكان الصلاة، وقيل: يجوز أن يكون حيث للتعليل يعنى كما أخرهن الله تعالٰى في الشهادة والإرث والسلطنة وسائر الولايات. (بدرالدين العيني، البنايه شرح الهدايه (بيروت: دارالكتب العلميه، ط:۱، ۲۰۰۰م)، ج۲، ص:۳۴۲)

مرد وعورت کا محاذات میں ہونا:

ہمارے فقہاء نے محاذات (یعنی مرد اور عورت کے برابر کھڑے ہونے) کے مسئلے میں حدیث ''اخروھن'' سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مشہور احادیث میں سے ہے، اور انہوں نے اس پر متعدد مسائل کی بنا کی ہے، لیکن یہ ایک لمبی بحث ہے جو یہاں مناسب نہیں۔

ابن الہمام نے ''فتح القدیر'' میں اس پر کچھ اشارہ کیا ہے، جہاں انہوں نے فرمایا: یہ حدیث مرفوعا ثابت نہیں ہے، چہ جائے کہ مشہور ہو، بلکہ یہ مصنف عبد الرزاق میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقوف قول ہے، جس میں انہوں نے کہا: ہمیں سفیان ثوری نے اَعمش سے، وہ ابراہیم سے، وہ ابو معمر سے، اور انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بتایا کہ بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور عورت بڑے بڑے جوتے پہنتی تھی اور مردوں سے بلند ہو کر ان پر کھڑی ہوتی تھی اور اپنے محبوب کو ڈراتی تھی، تو اللہ نے ان پر حیض مسلط کر دیا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: انہیں پیچھے رکھو جیسے اللہ نے انہیں پیچھے رکھا ہے۔ دریافت کیا گیا: ''قالبان'' کیا ہیں؟ تو فرمایا: ''یہ لکڑی کے بنے ہوئے بڑے جوتے ہیں جو عورتیں پہنتی تھیں تاکہ وہ مردوں سے اونچی نظر آئیں۔[1]

---

(۱) عنی أخروهن من حيث أخرهن الله، ولم يثبت رفعه فضلا عن كونه من المشاهير، وإنما هو في مسند عبد الرزاق موقوف على ابن مسعود قال: أخبرنا سفيان الثوري عن الأعمش عن إبراهيم عن أبي معمر عن ابن مسعود قال: كان الرجال والنساء في بني إسرائيل يصلون جميعا، فكانت المرأة تلبس القالبين فتقوم عليهما فتواعد حليلها فألقى عليهم الحيض، فكان ابن مسعود يقول: أخروهن من حيث أخرهن الله، قيل فما القالبان؟ قال أرجل من خشب تتخذها النساء يتشرفن الرجال في المساجد. (ابن الهمام، فتح القدير، ج۱، ص:۳۶۰)

''الغایہ'' کے مصنف اپنے شیخ سے روایت کرتے ہیں کہ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے، اور عورتیں شیطان کی پھندے ہیں، اور انہیں پیچھے رکھو جیسے اللہ نے انہیں پیچھے رکھا ہے، اور انہوں نے اسے ''مسند رزین'' کی طرف منسوب کیا۔ ''بیہقی کی دلائل النبوۃ'' میں بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن تلاش کرنے پر وہاں موجود نہیں پایا گیا۔ پھر ابن الہمام نے محاذات کے مسئلے پر استدلال ذکر کیا اور اس میں موجود نکات کی طرف اشارہ کیا، اور دورانِ بحث یہ بھی ذکر کیا کہ عورت کا مرد کی امامت کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے۔

مرد کا تنہا عورتوں کا امام بننا:

اگر کوئی مرد عورتوں کی امامت کرے اور اس گھر میں اس کے ساتھ کوئی اور مرد نہ ہو، نہ اس کا کوئی محرم (جیسے بہن، بیوی یا باندی) موجود ہو تو یہ مکروہ ہے۔ لیکن اگر ان کے ساتھ کوئی محرم فرد موجود ہو، یا وہ انہیں مسجد میں امامت کرائے، تو یہ مکروہ نہیں۔ اسی طرح ''البحر اور النہر'' اور دیگر کتب میں بھی مذکور ہے۔ (۱)

اب اس مقام پر گفتگو کا اختتام ہے، اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اس نے تکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ بحث ۱۸ محرم ۱۲۹۵ھ بروز بدھ مکمل ہوئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہترین درود وسلام ہو۔

---

(۱) كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا ممنوع منه) كأخته (أو زوجته أو أمته، أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لا) يكره. (ابن عابدين، حاشية على الدر المختار شرح تنوير الابصار (دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)، ج۱، ص:۶۱۰)

ضمیمہ

خواتین اور جماعت کی نماز

تعارف: عناوین

خواتین کی جماعت کے سلسلے میں علامہ لکھنوی کی تحقیقی نکات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ علماء دیوبند کی آراء اور تجزیہ کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ اس سے ہمیں اس موضوع کی پوری تفہیم حاصل ہو سکے گی اور ہمارے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک کا ازالہ ہو سکے گا۔ علماء دیوبند کو اللہ نے فقہ اور فتاویٰ میں جو مہارت دی ہے، وہ نہ صرف شریعت کے مقاصد کے مطابق ہے، بلکہ روایت اور درایت کی مکمل ترجمانی بھی کرتی ہے۔ علماء دیوبند کی آراء اس تفصیل کو سمجھنے میں اور شک وشبہ کو دور کر کے صحیح موقف اور درست منہج کو طے کرنے میں حد درجہ مددگار ہوگا۔ خواتین کی جماعت کے تعلق سے پانچ طرح کے مسائل ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) خواتین کا خواتین کی امامت کرنا۔

(۲) خواتین کا مردوں کی امامت کرنا۔

(۳) مرد کا گھر میں خواتین کی امامت کرنا۔

(۴) خواتین کا مسجد میں نماز کے لئے جانا۔

(۵) خواتین کا عید کی نماز میں شامل ہونا۔

ان پانچوں عناوین پر گفتگو سے موضوع کے ہر پہلو کا احاطہ ہو جاتا ہے، تیسرا عنوان جو گھر میں خواتین کی امامت کے تعلق سے ہے اس میں بھی چار ذیلی عناوین ہیں جن میں ان تمام پہلوؤں کا خیال رکھا گیا ہے جو گھر کی جماعت کے وقت پیش آتے رہتے ہیں، مثلاً مرد امام ہو اور اس کے پیچھے صرف محرم خواتین ہوں، مرد امام ہو اور اس کے پیچھے محرم اور غیر محرم خواتین ہوں، مرد امام ہو اور اس کے پیچھے صرف غیر محرم خواتین ہوں، اسی طرح مرد امام ہو اور اس کے پیچھے خواتین اور مرد دونوں ہوں، ان تمام مسائل پر اپنی رائے پیش کرنے کے بجائے معتبر فتاوی کے نقل پر اکتفا کیا گیا ہے۔

اس حصے میں خواتین کا مسجد میں جانا قدرے تفصیل سے لکھا ہے اس لیے کہ یہ مسئلہ کثرت سے پیش آنے والوں میں سے ایک ہے اور اس مسئلے میں عورتوں کا گھر سے نکلنا پایا جاتا ہے جو فتنے کا باعث ہے، جب کہ دوسری طرف بعض حلقوں سے اس پر اصرار کیا جا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس پر سوالات کثرت سے پوچھے جاتے ہیں، اس سلسلے میں فتاوی کے نقل کرنے کے ساتھ حضرات محدثین کی آراء اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے رسالہ کا خلاصہ بھی پیش کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ اس موضوع کو سمجھنے میں اس سے مدد ملے گی۔

(۱) خواتین کا خواتین کی امامت کرنا:

خواتین کے لیے اصل حکم یہ ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھیں، خواتین کا جماعت سے نماز پڑھنا پسندیدہ نہیں ہے تاہم جیسا کہ یہ رسالہ اسی موضوع پر ہے اور تفصیل کے ساتھ علامہ لکھنوی نے اس پر گفتگو کی ہے اور تمام فقہی عبارتوں کو پیش کیا ہے، موضوع کی مناسبت اور

مزید وضاحت کے لیے اکابر علماء دیوبند کے چند فتاوی بھی پیش ہیں تاکہ اس موضوع پر بصیرت حاصل ہو۔

عورتوں کا گھر میں جمع ہوکر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اس تعلق سے فتاوی دارالعلوم وقف میں مفتی احسان قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

صورت مسئولہ میں ان کی نماز ادا ہوگئی۔ ایسی صورت میں جو امام ہو اس کو چاہیے کہ مردوں کی طرح آگے نہ کھڑی ہو؛ بلکہ اگلی صف میں معمولی سی آگے بڑھ کر کھڑی ہو، لیکن تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اس لیے یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔[1]

حافظ عورت گھر میں تراویح کی نماز پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے ایک تفصیلی فتوی نظام الفتاوی میں ہے،[2] سوال وجواب دونوں پیش خدمت ہے:

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں اگر ایک گھر کی چند عورتیں جمع ہوکر گھر ہی کے کسی کونے میں تراویح کی نماز باجماعت پڑھیں اور انہیں عورتوں میں سے وہ عورت امامت کرے جو کہ حافظہ قرآن ہے مقصد صرف یہ ہے کہ اس طریقہ سے حافظہ کو قرآن یاد رکھنے میں زیادہ سے زیادہ سہولت ہے بمقابلہ دوسرے

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها، إنها كانت تؤذن وتقيم وتوم النساء وتقوم وسطهن. (الحاكم المسند: ج۱،ص:۳۲۰،رقم:۷۳۱)

ويكره تحريما جماعة النساء ولو في التراويح فإن فعلن تقف الإمام وسطهن فلو قدمت اثمت. (ابن عابدين رد المحتار: ج۲،ص:۳۰۵)

ويكره للنساء أن يصلين وحدهن الجماعة فإن فعلن قامت الإمام وسطهن لأن عائشة رضي الله عنها فعلت كذلك. وحمل فعلها الجماعة على ابتداء الإسلام. (المرغيناني، الهدايه (بيروت، المكتبة الإسلامية): ج۱،ص:۱۲۳)

(۲) نظام الفتاوی، ''تراویح کے احکام'': ج۶،ص۹۹: زکریا بکڈپو دیوبند.

طریقوں کے، اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جماعت کی صورت میں گھر کی تمام عورتیں تراویح کی نماز پڑھ لیتی ہیں ورنہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سستی وکاہلی کی وجہ سے تنہا نہیں پڑھتی ہیں یا اگر پڑھتی ہیں تو چند رکعتیں، سوال یہ ہے کہ ان کا جماعت سے نماز تراویح پڑھنا جائز ومباح ہے یا مکروہ تحریمی وحرام ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کرم ہوگا۔

اس مسئلہ میں دو عالموں (زید وعمر) کا اختلاف ہوا۔ زید نے کہا جائز نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے اور انہوں نے استدلال میں درمختار: ص: ۴۸۰/ کی عبارت پیش کردی۔ ''**ویکرہ تحریماً جماعة النساء ولو فی التراویح**'' مولوی عمر صاحب نے کہا کہ مکروہ تحریمی کہنا درست نہیں ہے زیادہ سے زیادہ آپ مکروہ تنزیہی کہہ سکتے ہیں جس کا مرجع خلاف اولی ہے، یعنی عمر اس بات کا قائل ہے کہ جائز اور مباح ہے اور وہ اپنے استدلال میں یہ دلائل پیش کرتا ہے۔

''**عائشة أم المؤمنين أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطاً**'' (**کتاب الآثار: ج۱،ص:۶۰۳**)

حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ کی حدیث ابوداد: ج۱،ص: ۸۷، میں کتاب الصلاۃ باب اقامۃ النساء۔ پر موجود ہے اس کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ کی بھی حدیث جو کتب حدیث میں موجود ہے صاحب بذل المجہود شرح ابوداؤد، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ ان احادیث پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''**وبتقدير التسليم فان ما يفيد نسخ السنية وهو لا يستلزم كراهة التحريم فی الفعل بل التنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى ولا علينا أن نذهب إلى ذلک، فان المقصود اتباع الحق حيث كان**''

اس کے بعد القاری کی عبارت نقل فرماتے ہیں:

''**قال القاری فی شرح النقاية قال فی شرح المجمع فعلن ای عائشة**

وام سلمة كذلك حين كانت جماعتهن مستحبة ثم نسخ الاستحباب. اقول الأظهر أن الكراهة محمولة على ظهورهن وخروجهن، والجواز على تسترهن في بيتهن" (بذل المجهود: ج:۱ص:۳۳۱)

"وكذا المرأة تصلح للإمامة في الجملة حتى لوامت النساء جاز" (بدائع الصنائع: ج۱:ص:۳۸۷) إعلاء السنن: ج۴،ص:۲۱۷.

پر مفصل کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أنه صلى الله عليه وسلم لم يبين كراهة في حين من الأحيان وأما ما ورد في الا حاديث فلا دلالة فيه على ماهو ازيد من الإباحة" (فتح القدير: ج۱،ص:۳۰۷)

پر تفصیلی کلام فرماتے ہیں:

"وتقدير التسليم فإنما يفيد نسخ السنية وهو لا يستلزم ثبوت كراهة التحريم في الفعل بل التنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى ولا علينا أن نذهب إلى ذلك فإن المقصود اتبا ع الحق حيث كان في هامشه" (فتح القدير: ج:۱ص:۳۰۶)

"وكانت جائزة سنة تقف الإمام وسطهن فنسخت سنيتها دون الجواز فإنهن لوصلين جماعة جازت بالإجما ع"

اس کے علاوہ عمر کہتا ہے کہ:

"صلوة المرأة في بيتها أفضل من صلوتها في حجرتها وصلوتها في مخدعها أفضل من صلوتها في بيتها" (الحديث)

یہ حدیث کراہت تحریمی کو ثابت نہیں کرسکتی زیادہ سے زیادہ عدم استحباب ثابت ہوتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ اگر حلت وحرمت میں علماء کا اختلاف ہو جائے تو تخفیف ہو جاتی ہے، یہاں کراہت تحریمی اور اباحت میں اختلاف ہے اس لیے کراہت تحریمی ثابت نہیں ہوگی۔

احناف کے نزدیک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل حجت ہے اس کی موجودگی میں قیاس نہیں کیا جائے گا، اس لیے کراہت تحریمی کو قیاس سے ثابت کرنا درست نہیں ہے۔ اور حدیث کی تنسیخ پر کوئی صریح حدیث بھی موجود نہیں ہے، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل حرام نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا ہو اور آپ نے نکیر فرمائی ہو۔ کراہت تحریمی واباحت ایک ساتھ جمع نہیں ہوتی ہے ہاں کراہت تنزیہی اور اباحت جمع ہو سکتے ہیں، اگر جماعت مکروہ تحریمی ہے تو پھر بیان جواز کیا؟

کتاب الآثار: ج ا، ص: ۶۰۳/ پر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''**قال محمد لا یعجبنا الخ** '' یہ قول بھی زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی کو ثابت کرتا ہے نہ کہ کراہت تحریمی کو، اب آپ حضرات سے سوال یہ ہے کہ مولوی عمر صاحب کے دلائل کہاں تک درست ہیں براہ کرم ان کو اصل مرجع سے رجوع کر کے ملاحظہ فرمالیں اور جو قرآن وحدیث سے حق مسئلہ ثابت ہوتا ہو اس کو تحریر کر دیں کسی خاص کتاب سے مقید ہو کر نہ تحریر کریں اور اگر مکروہ تحریمی ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں اس کو بھی قلم بند کر دیں کرم ہوگا۔ ''**جزاکم اللّٰہ تعالٰی في الدارین** ''

المستفتی: حسین احمد سہارنپوری

الجواب وباللہ التوفیق:

اعلی بات یہ ہے کہ جب عبارات فقہاء آپس میں متخالف ہیں کما ہو ظاہر اور اس جزئی کا کوئی حکم شرعی مروی نہیں ملا تو تفرد قرار دے کر سکوت کرنا لازم تھا جیسا کہ اس اصل شرعی سے واضح ہے۔

(الف) وینبغي یجب أن لا یسئل الانسان عما لاحاجة إلیه (إلی قوله) إلی غیر ذلک مما لا تجب معرفته ولا یرد به التکلیف فیه'' (شامي نعماني: ۲۰۵، في مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض)

(ب) یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ واقعہ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ جنگ کے لیے تشریف نہیں لے گئی تھیں بلکہ ان کی نیت حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی کے درمیان صلح کرانے کی تھی اس کی کھلی دلیل وہ واقعہ بھی ہے جو صحیح روایت میں منقول ہے کہ ایک رات میں حضرت عائشہ کا جب ایک جگہ قیام ہوا اور کتے بھونکے تو پوچھ پڑیں کہ یہ کونسی جگہ ہے اور جب یہ معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ہے تو ارشاد رسالت علیہ الصلوۃ والسلام مستحضر ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے عائشہ تمہارا کیا حال ہوگا جب بنی فلاں کے کتے تم پر بھونکیں گے اور یہ فوراً وہاں سے مدینہ طیبہ واپس آ گئیں اور خلاصہ کلام یہ نکلا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا مقصد جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ جنگ ان کے پیچھے لگ گئی تھی اور مشاجرات صحابہ میں فی الجملہ شرکت ہوگئی اور مشاجرات صحابہ میں تمام اہل حق کا مسلک سکوت کا ہے ایسے ہی یہاں بھی سکوت ہی لازم رہے گا۔

(ج) یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہ کی ایک اصل تسلیم شدہ ہے کہ اپنے قومی قیاس کے باوجود جب کسی صحابی کا قول ثابت ہو جائے تو اپنے قول و قیاس کو چھوڑ کر صحابی کے قول کو ترجیح دے دیتے ہیں اور اسی کو اختیار کر لیتے ہیں حتی کہ اگر ایک درجہ کے چند صحابی کا قول آپس میں مختلف نظر آتا ہے تو وہاں بھی اپنا قیاس نہیں لیتے بلکہ صحابہ کے اقوال کے درمیان تطبیق حاصل کرنے کی سعی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے اس اصل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مسئلہ ہذا میں جب روایتیں مختلف ہیں تو اس میں سکوت ہی کیا جائے، پس حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ام سلمہؓ کی امامت تراویح کے زمانہ میں بہت سے صحابہ موجود تھے ان سب کا ان دونوں کی امامت پر سکوت تھا تو ''السکوت في معرض البيان بيان '' کے اصول کے مطابق سکوت کرنا ہی نکلا اور اگر صحابہ کرام میں کچھ اختلاف ہو جب بھی محمل متفق حاصل کرنے کی سعی کرنا اور اصل مسئلہ میں سکوت کرنا ہی احوط نکلا۔ لہٰذا ہر حال میں جب فقہاء کے مختلف بیانات ہیں اور سب قیاسات پر مبنی ہیں اور کچھ روایات بھی ملتی ہوں جب

بھی ان سب کو چھوڑ کر سکوت کرنا ہی احوط لکھا۔ اور اصل شرعی کے اس سکوت کی نظر میں بہت سی ہیں مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں افضلیت کا مسئلہ اور مشرکین کے نابالغ بچوں کے مرجانے کے بعد ان کے جائے قیام کا مسئلہ کہ ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا جنت میں یا کہاں وغیرہ وغیرہ ان سب میں امام کا موقف روایات کے مختلف ہونے کی وجہ سے سکوت ہی کا ملتا ہے اسی طرح یہاں بھی امام موصوف کے نزدیک سکوت ہی کا قول نکلے گا اور یہی قول احوط رہے گا۔

(و) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب کی ماں اور واجب الاحترام ہیں اور فقہائے صحابہ کے اونچے طبقہ کے فقہاء میں شمار تھیں تمام صحابہ ان کی جانب رجوع فرماتے تھے اور مسئلہ معلوم کرتے تھے اور ان کے فقیہانہ جواب پر عمل کرتے تھے اس کا بھی تقاضا ہے ان کی جانب کوئی ایسا جملہ (خواہ مکروہ تحریمی کا ہو یا مکروہ تنزیہی وغیرہ کا ہو) جو مشعر ہو ان کی تنقیص کی جانب ہرگز نہ بولا جائے اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اس مسئلہ میں ان کا تفرد مان کر سکوت ہی کیا جائے اور احوط اسی کو قرار دیا جائے۔

نوٹ: اوپر کی ساری گفتگو امہات المؤمنین کے بارے میں تھی لیکن سوال کے ابتدائی سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود سوال آج کل کی حافظہ قرآن کی امامت فی التراویح کا کیا حکم ہے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے اس مسئلہ کا حکم کتاب وسنت سے ذرا مفصل و مدلل طور پر بیان کر دیا جائے تاکہ ہر انسان آسانی سے سمجھ سکے چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر﴾ (پارہ:۲۷،سورہ قمر)

ترجمہ: ہم نے قرآن کو یاد کرنے اور سمجھنے کے لیے نصیحت پکڑنے کے لیے آسان کر دیا پس ہے کوئی یاد کرنے والا نصیحت پکڑنے والا۔

یہ حقیقت سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ نصوص قرآنی کا علم اپنے مورد میں خاص اور محدود نہیں رہتا بلکہ عموم الفاظ کے مطابق عام اور جاری رہتا ہے پس عموم الفاظ کے اعتبار

سے محض مردوں میں دائر نہ رہے گا بلکہ عورتوں اور ذی شعور بچوں کو۔ سب کو عام وشامل رہے گا اسی طرح یہ حکم محض منطوق قرآنی کے یاد کرنے میں محدود دائر نہ رہے گا بلکہ منطوق قرآنی کے یاد کرنے کے ساتھ قرآن کے تمام معانی ومفاہیم اور اور اس کے تمام متعلقات وغیرہ سب کو عام وشامل رہے گا اور ان تمام چیزوں میں عورت ومرد اور ہر ذی شعور بچے شامل ومرادر ہیں گے اور اس کی مثال صحابہ کی طرح صحابیات میں بھی عام طور سے ملتی ہے بہت سی صحابیات کا حافظہ قرآن ہونا اور عالم دین ہونا وغیرہ سب ملتا ہے۔ اسی طرح یہ سب احکام محض زمانہ رسالت کے اندر محدود وخاص نہیں رہیں گے بلکہ زمانہ رسالت کے بعد بھی قیامت تک کے لیے تمام مردوں کی طرح تمام عورتوں اور ذی شعور بچوں کو بھی سب کو عام و شامل رہیں گے مثلاً تمام حافظ قرآن مرد جس طرح ان لوگوں کی سفارش کریں گے جو جہنم کے مستحق تھی اسی طرح عورت حافظہ قرآن بھی سفارش کرے گی۔ بلکہ جان پڑا ہوا حمل جو ساقط ہوجاتا ہے اور اس کو فرط وذخر فرمایا گیا ہے وہ بھی مذکر ومؤنث سب کو شامل ہے وعلی ہذا بہت سی روایات ہیں جو اس مفہوم پر حاوی ہیں بجز ان چیزوں کے جو عورتوں کے لیے شرعاً ممنوع ہیں جیسے عورتوں کا اذان نہ دینا، نبی نہ ہونا، سربراہ مملکت نہ ہونا، عورتوں اور مردوں میں اختلاط یا مکان کے اندر عورت کا بغیر شرعی مجبوری کے اس قدر چیخ کر اور بلند آواز سے بولنا کہ باہر تک سنا جائے۔ ناجائز اور باعث غضب خداوندی اور افلاس ہے اور باعث مصائب ہوتا ہے۔ باقی قرآن کریم کا حفظ کرنا اور اس کا باقی رکھنا جس طرح مردوں کے لیے اور ذی شعور بچوں کے لیے باعث خیر و برکت ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی باعث خیر وبرکت ہے ''**کما مر من الصحابة الصحابیات**'' اور یاد رکھنے کے لیے برابر پڑھتے رہنا اور اس پر مداومت مزاولت رکھنا بھی لازم ہے کیوں کہ بھلا دینے پر بڑی سخت وعیدیں اور تقصیرات وارد ہیں، اور اگر عدم مزاولت کی وجہ سے بھول جائے تو یہ بھی باعث مذلت وملامت اور سالب خیر وبرکت ہے مردوں اور غیر مردوں کے لیے یکساں حکم

شرع ہے اور ظاہر ہے کہ عورتوں کو مردوں کے اعتبار سے کم مزاولت وغیرہ رکھنے کا طبعاً موقع ملتا ہے اور یہ ظاہر ہے اس لیے کہ زمانہ نفاس میں اور زمانہ حیض میں شرعاً قرآن زبانی پڑھنا بھی ناجائز رہتا ہے اسی طرح جب کچھ بچے پیدا ہو جاتے ہیں جب بھی مزاولت اور استمرار کا موقع کم ملتا ہے اور اس مقصد کے لیے ضبط ولادت وغیرہ کا طریقہ اختیار کرنا بھی ممنوع رہتا ہے۔

"لقوله عليه الصلوة والسلام تزوجوا الودود الولود فانی مكاثر بكم الامم يوم القيامة او كما قال عليه الصلوة والسلام"

نیز حدیث میں ہے:

"تناكحوا وتباشروا وتناسلوا فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة (الحديث) أو كما قال"

اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ زبانی اور خارج از صلوۃ پڑھنے اور تلاوت کرنے سے زیادہ محفوظ اور مضبوط حافظہ نمازوں میں پڑھنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اور رمضان المبارک اور قرآن کریم میں ایک خاص قسم کی یگانگت ونسبت ہے۔

"كما يفهم من قوله تعالى شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان فمن شهد منكم الشهر فليصمه"

اور خاص کر جب چند عورتیں مردوں کی طرح معمولی آواز اور پست آواز سے دَور کریں۔ اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اگر بہت سی عورتیں مل کر پورے پردہ واحتیاط سے صرف ایک جماعت کرتیں تو اس صورت میں جو عورت امامت کرے گی اس کو اپنی معتاد آواز سے زیادہ بلند آواز سے قرآت کرنا ہوگی اور جس کا مذموم یا غیر محمود ہونا پہلے واضح ہو چکا ہے اس لیے ان تمام معروضات سے خود بخود یہ بات نکل آتی ہے کہ صرف دو، دو، تین، تین عورتوں کا تمام شرائط وضوابط کے ساتھ محفوظ مکان میں بطور دور کے امامت

واقتداء کرنا شرعاً بہتر ہوگا اور احقر کو فقہ حنفی سے یہی صورت راجح معلوم ہوتی ہے۔[۱]

خلاصہ جواب حسب فقہ حنفی:

(الف) ازواج مطہرات کی امامت کے بارے میں سکوت تام احوط بلکہ لازم ہے۔

(ب) آج کل حافظہ قرآن عورتوں کے بارے میں اگر اتنی بڑی جماعت کی امامت ہو جس میں آواز معتاد آواز سے زائد ہو تو تمام قیود وشرائط کے باوجود مکروہ تحریمی وناجائز ہے۔

(ج) اگر ماہ رمضان میں حافظہ قرآن عورتوں کی چھوٹی جماعت جس میں آواز معتاد کے اندر اور تمام قیود وشرائط کے اندر رہے اور عورت صف سے صرف چار انگل آگے رہے تو ''الأمور بمقاصدها'' کے تحت یہ فعل جائز ہے۔

(د) اگر ماہ رمضان میں صرف دو، دو، تین تین عورتوں کی جماعت جو محض بہ نیت حفظ قرآن پاک اور بطور دور ہوگی اور قیود وشرائط کے موافق ہو اور مکان محفوظ کے اندر ہو جس میں آواز اپنی معتاد آواز سے زائد نہ رہے تو بلاشبہ جائز رہے گی بلکہ ''الأمور بمقاصدها'' کے تحت مستحسن بھی ہوسکتی ہے۔

تنہا عورتوں کی جماعت کے تعلق سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کتاب الفتاوی[۲] میں لکھتے ہیں:

تنہا عورتوں کی آپس میں جماعت مکروہ تحریمی ہے لہذا عورتوں کو الگ الگ ہی نماز پڑھنا چاہئے۔

''و كره جماعة النساء .....و هو يدل على أنها كراهة تحريم''(البحر الرائق: ج۱،ص:۳۵۱) نیز دیکھئے: الدر المختار مع الرد: ج۲،ص:۳۰۵)

عورتوں کا گھر میں تراویح کی جماعت کے سلسلے میں حضرت مفتی محمود الحسن صاحب

(۱) مفتی نظام الدین اعظمی، نظام الفتاوی (دیوبند: زکریا بکڈپو)، ج۶،ص:۹۹.

(۲) کتاب الفتاوی، جماعت کا بیان (دیوبند: کتب خانہ نعیمیہ)، ج۲،ص:۲۶۸.

گنگوہی فتاوی محمودیہ میں لکھتے ہیں:[۱]

محض عورتوں کی جماعت سے نماز پڑھنا کہ عورت ہی امام ہو اور عورت ہی مقتدی ہوں مکروہ تحریمی ہے۔ پنج گانہ فرض نماز ہو یا تراویح کی نماز ہو، سب کا یہی حکم ہے۔ یہ مسئلہ کتب فقہ میں اور متون وشروح میں صراحتاً مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو[۲] نورالایضاح، قدوری، کنز، طحطاوی، بحر، زیلعی، رمز، ہدایہ، مجمع الانہر، درمختار، ردالمحتار، فتح القدیر، نہایہ، کفایہ، عنایہ۔

"ویکرہ تحریماً جماعة النساء ولو في التراویح" (در مختار: ج۱،ص:۲۸۰)

مکروہ تحریمی ہونے کے باوجود اگر وہ جماعت کریں تو امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہیے اس حالت میں ان کی نماز ہو جائے گی، ارتکاب تحریمی سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔[۳]

---

(۱) فتاوی محمودیہ، فصل چہارم عورتوں کی جماعت: ج ۹،ص:۴۳۸، ناشر مکتبہ محمودیہ میرٹھ یوپی.

(۲) نور الایضاح ص۹۵/ فصل في الاحق بالامامة وترتیب الصفوف، مکتبہ امدادیہ دیوبند. قدوری ص:۲۹، باب صفة الصلوة، مطبوعہ یاسر ندیم دیوبند کنز، ص:۲۸، باب الامامة مطبوعہ دارلاشاعة الاسلامیہ کلکتہ طحطاوی ص:۲۴۲، فصل فی بیان الاحق بالامامة، طبع مصر بحر کوئٹہ، ج۱،ص:۳۵۱، باب الامامة زیلعي: ج۱،ص:۱۳۵، باب الامامة، مطبوعہ امدادیہ ملتان، رمز الحقائق: ج۱،ص:۳۹، ھدایہ: ج۱،ص:۲۳۱، باب الامامة، مطبوعہ یاسر ندیم دیوبند. مجمع الانھر: ج۱،ص:۱۶۴، باب صفة الصلوة، فصل في الجماعة، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت۔ الدر المختار: ج۱،ص:۸۳، باب الامامة، مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند. رد المحتار: ج۱،ص:۵۲۵، باب الامامة، مطلب إذا صلی الشافعي قبل الحنفی کراچی، فتح القدیر: ج۱،ص:۳۵۲، مطبوعة دار الفکر بناية: ج ۲،ص:۳۹۶، کفایہ: ج۱،ص:۲۵۲، عنایہ: ج۱،ص:۳۵۲، باب الامامة کتاب الصلوة مطبوعة دار الفکر بیروت. البحر الرائق کوئٹہ: ج۱،ص:۳۵۱، باب الامامة

(۳) کرہ جماعة النساء لانه لا یخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراة کذا فی الھدایة وھو یدل علیانها کراھة تحریم لان التقدم واجب علی الامام للمواظبة علیه من النبی صلی الله علیه وسلم وترک الواجب موجب لکراھة التحریم المقتضیة الاثم الخ. البحر الرائق، ولانه یلزمھن احد المحظورین اما قیام الامام وسط الصف وھو مکروہ أو تقدم الامام وھو ایضاً مکروہ فی حقھن کالعراة فلم یشرع فیحقھن الجماعة اصلاً ولذا لم یشرع لھن الاذان وھو دعاء الی الجماعة ولو لاکراھة جماعتھن شرع الخ. زیعلي

حفظ کو باقی رکھنے کے لیے خارج نماز حافظہ سنائے، دیگر مستورات بیٹھ کر سن لیں۔ ہر ایک اپنی تراویح میں اوابین میں تہجد پڑھا کرے اس طرح حفظ بھی باقی رہے گا اور کراہت تحریم کے ارتکاب سے بھی حفاظت رہے گی۔ مولانا عبدالحئ لکھنوی پر ایک زمانے میں اجتہاد کا اثر رہا، یہ مسئلہ بھی اسی دور میں انہوں نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے جس کا نام ہے تحفۃ النبلا[۱] یا پھر ان کے تفردات میں سے ہے[۲] جس کی وجہ سے اصل مذہب کو ترک نہیں کیا جاسکتا ہے۔[۳]

مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب کتاب المسائل میں لکھتے ہیں:[۴]

فرض نمازوں میں عورت کا امام بن کر عورتوں کی امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله ﷺ قال: لا خير في جماعة النساء. (المعجم الكبير للطبراني :۲۴، ۲۴۶، ۱۲، ۲۴۵ ويكره تحريماً جماعة النساء ولو في التراويح. شامي زكريا: ج۲،ص:۳۰۵، بيروت؛ ج۲ص ۲۶۲ فتاوى رحيميه؛ ج۹ص۷۶، شامي زكريا؛ هدايه:۱، ۱۲۳)

نوٹ: البتہ اگر کوئی حافظہ عورت اپنا قرآن یاد کرنے کی غرض سے تراویح میں قرآن کریم سنائے تو اس کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ **(كتاب الآثار للامام محمد: ج۱ص۲۰۳، ۲۰۶، مصنف ابن ابی شیبه، ج۱،ص:۴۰۳)**

---

(۱) تحفة النبلاء فی جماعة النساء من مجموعه رسائل للكنوی :ص:۲۱۴، مطبوعه ادارة القرآن كراچی.

(۲) ملاحظه هو :مجموعه فتاوی فارسي:ص:۱۸۰، ج۱، كتاب الصلوة، مطبوعہ یوسفی لکھنؤ.

(۳) ان صدر الدين قال إن هذه الفتاوى هی اختيارات المشائخ فلا تعارض كتب المذهب. قال وكذا كان يقول غيره من مشائخنا و به اقول انتهى رسم المفتی ،ص:۱۵۳، المتون مقدمه مكتبه زكريا.

(۴) کتاب المسائل، امامت و جماعت کے مسائل: ج۱،ص:۴۱۵، ناشر المرکز العلمی للنشر والتحقیق مرادآباد یوپی

مفتی احمد علی خان پوری صاحب محمود الفتاوی میں لکھتے ہیں:[1]

تنہا عورتوں کی آپس میں جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا عورتوں کو الگ الگ ہی نماز پڑھنا چاہیے۔

كره جماعة النساء .....وهو يدل على انها كراهة تحريم (ابن نجيم، البحر الرائق: ج۱،ص:۳۷۲)

درمختار میں ہے: **ويكره تحريما جماعة النساء ولو فى التراويح در على هامش الشامية ج۱ص۴۱۸.**

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ تنہا عورتوں کی جماعت کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال جس میں عورتوں کی جماعت کے جواز سے متعلق روایتیں پیش کی گئی ہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اخرج الهيثمى فى مجمع الزوائد عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: لاخير فى جماعة النساء إلا فى المسجد أو فى جنازة قتيل رواه احمد والطبرانى فى الأوسط الا أنه قال: لأخير فى جماعة النساء إلا فى المسجد جماعة. وفيه ابن لهيعة وفيه كلام الخ. ج۱ص۱۵۵

قلت: قد حسن له الترمذى واحتج به غير واحد كما فيه ايضاً ج ص ۱۵۶ولا يخفى أن جماعة النساء فى مسجد الجماعة لا تكون إلا مع الرجال، فمعنى الحديث: لا خير فى جماعة النساء إلا مع الرجال فعلم ان جماعة النساء وحدهن مكروهة لنهيه ﷺ الخيرية عنها، وقد اجمعت الأمة على كراهة خروج النساء إلى مسجد الجماعة ايضاً، ولو خرجن فلم يجوز أحد من الأئمة ان يجمعن وحدهن؛ بل لا بد لهن من

---

(۱) محمود الفتاوى. باب الجماعة. ج۲ص۴۸۳ ناشر: مکتبہ محمودیہ، ڈابھیل گجرات

الصلوة خلف الرجال فافهم وكل ما ورد عن عائشة رضى الله عنها وام سلمة. رضي الله عنها فى امامتها النساء فلا يخلو عن مثل ليث ابن أبى سليم و ابن أبى ليلى وغيرهما ممن فيه مقال، فلم يكن راجحا على اثر ابن لهيعة هذا، ورواية ابراهيم عن عائشة رضى الله عنها منقطعة فلا ترجيح له ايضاً، ولا يخفى ترجيح المرفوع على الموقوف، ولم يتبين مخالفة عمل الراوى لرواية، هل كانت قبل الرواية أو بعدها فلا يعل بفعل عائشة رضى الله عنها اثرها المرفوع فافهم والبسط فى الاعلاء. ج۴ص۱۱۴،۱۱۵.

روایات مذکورہ سوال کا جواب عبارت عربی میں دے دیا گیا کہ حضرت عائشہؓ خود رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کی جماعت میں خیر نہیں ہے، اسی پر حنفیہ کا عمل ہے، اور اسی سے ان کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، پس عورتوں کو باہم جماعت کرنا مکروہ ہے۔ (امدادالاحکام ۱/۴۲۵)

خلاصہ:

اس مسئلہ سے متعلق تمام فتاوی کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک عورتوں کی تنہا جماعت شرعاً ناپسندیدہ اور ممنوع ہے، تاہم اگر کسی خاتون کا مقصد قرآن کو یاد رکھنا ہو اور اس کے لیے وہ صرف عورتوں کی امامت کرے اور باضابطہ خواتین کو بلایا نہ جائے؛ بلکہ صرف گھر کی خواتین ہوں اور آواز غیر محرم مردوں تک نہ جارہی ہو تو اس طرح تراویح میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھانے کی گنجائش ہوگی اور امام خاتون درمیان میں کھڑی ہوں گی۔

(۲) خواتین کا مردوں کی امامت کرنا:

خواتین خواتین کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں، یہ مسئلہ اوپر تفصیل سے آچکا ہے، اسی

طرح خواتین مردوں کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں؟

اس حوالے سے مفتی امانت علی صاحب قاسمی فتاوی دارالعلوم وقف میں لکھتے ہیں:(۱)

عورت عورتوں کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں اس میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے، لیکن عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی ہے، اس میں ائمہ اربعہ کے درمیان اتفاق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی عورت کا مرد کی امامت کرنا ثابت نہیں ہے، اسی طرح عہد صحابہ میں عورت کا امامت کرنا ثابت نہیں ہے اگر یہ عمل جائز ہوتا تو ہمیں عہد صحابہ میں اس کی مثالیں ضرور ملتیں، بلکہ اس کے خلاف روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں مردوں کی امامت نہیں کرسکتی ہیں۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول ہے کہ عورتیں امامت نہ کریں اس میں تو مطلقا عورت کو امامت سے منع کیا گیا ہے خواہ وہ عورتوں کی امامت کریں یا مردوں کی۔(۲)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ عورت مردوں کی موجودگی میں نماز میں آواز نہیں نکال سکتی امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے جب عورت معمولی سی آواز نہیں نکال سکتی تو مکمل نماز کی امامت کیسے کرسکتی ہے؟ امام نووی رحمہ اللہ المجموع شرح المھذب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عورتوں کا مردوں کی امامت پر ممانعت سے متعلق ضعیف حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے کہ کسی عورت کے پیچھے بچے اور بالغ مرد کی نماز جائز نہیں ہے، آگے لکھتے ہیں خواہ ممانعت عورت کی امامت مردوں کے لیے فرض نماز سے متعلق ہو یا تراویح سے متعلق ہو یا سارے نوافل سے۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور سلف و خلف میں سے جمہور علماء کا ہے۔ اور بیہقی نے مدینہ کے تابعین فقہائے سبعہ سے بیان کیا

---

(۱) فتاوی دارالعلوم وقف، عورتوں کی جماعت کا بیان: ج۵، ص:۵۰۸، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند.

(۲) عن علی بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه أنه قال: لا تؤم المرأة. قلت: رجاله كلهم ثقات. (ظفر أحمد عثماني، إعلاء السنن، "كتاب الصلاة: باب جماعة النساء": ج۴، ص:۲۲۸)

ہے اور وہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، سفیان، امام احمد اور داؤد ہیں۔[۱]

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاون[۲] کے فتاوی میں ہے:

فرض نماز ہو یا نفل، عورت، مردوں کے لیے امام نہیں بن سکتی یعنی عورت کی اقتدا میں مرد کی نماز ہی نہیں ہوگی، اور اسی طرح عورت کا عورتوں کے لیے امام بننا بھی مکروہ تحریمی ہے؛ اس لیے خواتین تنہا اپنی نماز ادا کریں، جماعت کا اہتمام نہ کریں۔[۳]

خلاصہ:

اس مسئلہ میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ خواتین مردوں کی امامت نہیں کرسکتی، اور خواتین کی اقتداء میں مرد حضرات کی امامت درست نہیں ہوگی۔

(۳) مرد کا گھر میں خواتین کی امامت کرنا:

اگر کسی کی جماعت مسجد میں چھوٹ جائے اور وہ گھر کی عورتوں کو جمع کر کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو یہ صورت درست ہے یا نہیں؟ اس طرح گھر میں اگر جماعت سے نماز ہو رہی ہو اور غیر محرم حضرات پڑھ رہے ہوں تو خواتین کا جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں اور اگر شرکت کریں گی تو اس کی صورت کیا ہوگی؟

---

(۱) لا يصح اقتداء الرجل بالمرأة لقوله عليه السلام: أخروهن من حيث أخرهن الله تعالى، (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب شهود النساء الجماعة: ج۱،ص:۴۱۰، رقم: ۵۱۱۵.....وعليه الإجماع .إبراهيم بن محمد الحلبي، غنية المستملي شرح منية المصلي، "كتاب الصلاة، فصل في الإمامة:ص:۴۷)

(۲) فتوی نمبر:۱۴۴۰۰۱۲۰۰۴۲۴، دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

(۳) ويكره تحريماً جماعة النساء ولو في التراويح إلى قوله فإن فعلن تقف الإمام وسطهن فلو قدمت أثمت. قال الشامي: أفاد أن الصلاة صحيحة وأنها إذا توسطت لا تزول الكراهة وإنما أرشد و إلى التوسط؛ لأنه أقل كراهة التقدم. (شامي :ج۲،ص:۳۰۵) وفيه أيضاً :(قوله: ويكره تحريماً) صرح به في الفتح والبحر (قوله :ولو في التراويح) أفاد أن الكراهة في كل ما تشرع فيه جماعة الرجال فرض أو نفل": ج۱،ص:۵۶۵)

گھر کی جماعت میں صرف محرم عورتیں شامل ہوں:

اس تعلق سے مفتی احسان صاحب قاسمی فتاوی دارالعلوم وقف میں لکھتے ہیں:[۱]

کسی شرعی عذر کی بنا پر مسجد میں نہ جاسکے، تو گھر میں بیوی، ماں، بہن وغیرہ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرسکتا ہے، یہ ہی بہتر ہے؛ تاکہ جماعت کا ثواب مل جائے، مگر عورت ایک ہو یا زیادہ ہوں، ہر صورت میں عورت کو امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، امام کے برابر میں ایک مرد کی طرح عورت کا کھڑا ہونا درست نہیں، اس طرح کرنے سے نماز ادا نہیں ہوگی، مگر یہ بھی یاد رکھیے کہ بلا عذر شرعی ترک جماعت کی عادت بنالینا گناہ ہے اور بروئے حدیث ایسا شخص عملی منافق کہلاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ولقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه أو مريض إن كان المريض ليمشي بين رجلين حتى يأتي الصلاة. ایک دوسری حدیث میں ہے **ولو انكم صليتم في بيوتكم كما يصلي هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم الخ.**

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کتاب الفتاوی[۲] میں لکھتے ہیں:

میاں بیوی مل کر جماعت بنا سکتے ہیں، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے:

المرأة إذا صلت مع زوجها في البيت ألخ" (قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية: ج۱ص: ۹۵)

اس صورت میں شوہر امام ہوگا، اور بیوی اس کی مقتدی، نیز بیوی اس کے پیچھے کھڑی ہوگی، اگر اس کے پاؤں شوہر کے پاؤں کے برابر میں ہوں، تو اقتدا درست نہ ہوگی اور دونوں کی نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر کم سے کم بیوی کے پاؤں شوہر کے پاؤں کے پیچھے

---

(۱) فتاوی دارالعلوم وقف، عورتوں کی جماعت کا بیان: ج۵، ص: ۵۰۴؛ ناشر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

(۲) کتاب الفتاوی، جماعت کا بیان": ج۲، ص: ۲۷۰، ناشر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔

ہو، تو نماز درست ہو جائے گی۔[۱]

مفتی احمد علی خان صاحب محمود الفتاوی میں لکھتے ہیں:[۲]

میاں بیوی نفل یا فرض با جماعت پڑھ سکتے ہیں البتہ اس صورت میں عورت پیچھے کھڑی رہے گی۔

''أما الواحدة فتتأخر (در مختار) وتأخر الواحدة محله اذا اقتدت برجل لا بامرأة مثلها'' (شامی: ج۱، ص:۴۱۹)

شادی کی پہلی رات میں میاں بیوی دو رکعت پڑھیں دونوں اپنے اپنے طور پر پڑھ لیں یہ آداب میں سے لکھا ہے۔ (شرح شرعۃ الاسلام: ۴۴۳) میاں بیوی کا اپنی اپنی نماز پاس میں کھڑے ہو کر اس طرح پڑھنا کہ درمیان میں کوئی فاصلہ نہ ہو مکروہ ہے۔

''فمحاذاة المصلية المصل ليس فى صلاتها مكروهة لا تفسد'' (در مختار على هامش الثاني: ج۱، ص:۴۴۵)

فقط واللہ تعالی اعلم

گھر کی جماعت میں محرم اور غیر محرم عورتیں شامل ہوں:

اگر گھر میں جماعت ہو رہی ہو اور اس میں محرم اور غیر محرم عورتیں شریک ہوں اور مرد حضرات اس میں شریک نہ ہو تو کسی مرد امام کا محرم اور غیر محرم عورتوں کی امامت کرنا درست ہے یا نہیں؟

مفتی محمد احسان صاحب قاسمی فتاوی دار العلوم وقف میں لکھتے ہیں:[۳]

---

(۱) و إن كان قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة و إن كان قدماها خلف قدم الزوج..... جازت صلاتهما. (رد المحتار: ج۲، ص:۳۱۵، مع تحقيق عادل على)

(۲) محمود الفتاوی، ''باب الجماعۃ'': ج۲، ص:۴۸۶، ناشر: مکتبہ محمودیہ، ڈابھیل گجرات.

(۳) فتاوی دار العلوم وقف، تراویح کی نماز کا بیان: ج۷، ص:۲۷، ناشر جمعۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند

بالغ لڑکا محرم عورتوں کی امامت کرسکتا ہے، اگر ان کے ساتھ غیر محرم عورتیں بھی پردہ کے ساتھ شامل ہو جائیں تو جائز ہے؛ البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ایسی جگہ نامحرم عورتوں کا شامل ہونا جائز نہیں ہے، اس فتنہ کے دور میں عورتوں کے لیے یہ ہی بہتر ہے کہ اپنے اپنے گھر میں تنہا تنہا تراویح پڑھیں۔ (۱)

مفتی محمود صاحب فتاوی محمودیہ میں لکھتے ہیں: (۲)

اگر کچھ نامحرم عورتیں ہوں اور بچے بھی ہوں تو درمیان میں پردہ ڈال کر جماعت کر لی جائے۔ (۳)

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کتاب النوازل میں لکھتے ہیں: (۴)

جب عورتوں کے لیے جماعت کی فضیلت نہیں ہے تو انہیں جماعت کے اہتمام کی بھی

---

(۱) تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كأخته أو زوجته أو أمته أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لا يكره. (الحصكفي، الدر المختار مع رد المحتار "كتاب الصلاة: باب الإمامة، مطلب إذا صلى الشافعي قبل الحنفي هل الأفضل الصلاة مع الشافعي أم لا": ج۲،ص:۳۰۳، زكريا ديوبند) عن أم حميد رضي الله عنها أنها جائت إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يارسول الله! إني أحب الصلاة معك، قال: قد علمت أنك تحبين الصلاة معي وصلوتك في بيتك خير من صلوتك في حجرتك الخ. (أخرجه أحمد في مسنده: ج٦،ص:۳۷۱، رقم:۲۷۰۹۰)

(۲) فتاوی محمودیہ، باب پنجم جماعت کا بیان، ج۹،ص:۴۴۳، ناشر: جامعہ محمودیہ میرٹھ یوپی

(۳) وينبغي أن يكون الموذن رجلا عاقلاً والافضل ان يكون الموذن هو المقيم، عالمگیری کوئٹہ ص۵۳تا۵۴ ج۱الفصل الاول فی صفة احوال الموذن. الباب الثانی فی الاذان. الافضل كون الإمام هو المؤذن وفي الضياء أنه عليه السلام أذن في سفر بنفسه و أقام وصلى الظهر و في السراج أن ابا حنفية كان يباشر الأذان والإقامة بنفسه الخ. در مختار مع الشامی زکریا:ص۷۱، ج۲، باب الأذان، مطلب هل باشر النبي الله الأذان بنفسه.

(۴) کتاب النوازل، جماعت کے مسائل ج۴ص۴۲۰ ناشر: المركز العلمي للنشر والتحقيق لال باغ مرادآباد.

ضرورت نہیں ہے، اب اگر کسی گھر میں مرد اس طرح عورتوں کی امامت کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا مرد یا بیوی یا محرم عورت نہیں ہے؛ بلکہ سب اجنبی عورتیں ہیں، تو اس کی امامت مکروہ ہے۔ ہاں اگر کبھی اس طرح جماعت کی جائے کہ کئی مرد ہوں، جن میں سے ایک امام ہو اور ان کے پیچھے پردے کے ساتھ عورتیں اقتداء کریں تو جائز ہے۔ (۱)

گھر کی جماعت میں صرف غیر محرم عورتیں شامل ہوں:

اگر گھر میں جماعت سے نماز ہو اور اس میں صرف غیر محرم عورتیں شامل ہوں تو جماعت کا کیا حکم ہے؟ فتاوی دار العلوم میں ہے: (۲)

واضح رہے کہ عورت کے لیے تراویح یا فرض نماز کے لیے مسجد جانا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر گھر میں فرض نماز یا تراویح کی جماعت ہو رہی ہو تو اس صورت میں امام کے ساتھ مرد حضرات بھی جماعت میں شامل ہوں تو گھر کی عورتیں اگر پردے کے پیچھے نماز پڑھیں تو یہ جائز ہوگا امام چاہے محرم ہو یا غیر محرم ہو لیکن اگر کوئی شخص صرف غیر محارم عورتوں کی امامت کرائے تو یہ مکروہ ہے۔ (۳)

---

(۱) کما تکرہ إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره، ولا محرم منه كأخته أو زوجته أو أمته (در مختار) وفي الشامية: ظاهره أن الخلوة بالأجنبية لا تنتفي بوجود امرأة أجنبية أخرى، وتنتفي بوجود رجل آخر. (در مختار مع الشامي: ج۱،ص:۵۶۶، کراچی، شامي: ج۲،ص:۳۰۷، زکریا) أما إذا كان معهن واحدممن ذُكِر أو أمهن في المسجد لا يكره، أي لعدم تحقق الخلوة فيه. (در مختار مع الشامي: ج۱،ص:۵۶۶، کراچی، ج۲،ص:۳۰۷، زکریا)

(۲) https//:darulifta-deoband.com/home/ur/Womens-Issues/178744

(۳) فتاوی شامی میں ہے:

(و) يكره تحريما (جماعة النساء) ولو التراويح .....(قوله ويكره تحريما) صرح به في الفتح والبحر (قوله ولو في التراويح) أفاد أن الكراهة في كل ما تشرع فيه جماعة الرجال فرضا أو نفلا في التبيين. (كتاب الصلوة، الباب الخامس في الامامة، الفصل الخامس في بيان مقام الامام و الماموم، ج۱،ص:۸۹، ط: دار الفكر بيروت) .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

مفتی محمد سلمان منصور پوری کتاب النوازل میں لکھتے ہیں:[1]

تراویح میں اگر مرد امام ہو اور اس کی اقتداء میں پیچھے پردے کے ساتھ عورتیں بھی گھروں میں شرکت کر لیں تو اس میں گنجائش ہے لیکن بہتر ہے کہ اس میں صرف گھر کی عورتیں ہوں باہر کی عورتوں کو وہاں باضابطہ جمع ہونے کی دعوت نہ دی جائے ورنہ فتنے کا

.....گذشتہ کا بقیہ.....

فتاوی شامی میں ہے:

(كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه) كأخته (أو زوجته أو أمته، أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لا) يكره. (كتاب الصلوة، باب الامامة، ج:۱،ص:۵۶۶،ط:سعید)وفيه أيضاً:يكره أن يؤم النساء في بيت وليس معهن رجل ولا محرم، مثل زوجته وأمته وأخته فإن كانت واحدة منهن، فلا يكره وكذا إذا أمهن في المسجد لا يكره اهـ وإطلاق المحرم على من ذكره تغليب بحر. والظاهر أن علة الكراهة الخلوة، ومفاده أنها تنتفى بوجود رجل آخر، لكنه يفيد أيضا أنها لا تنتفى بوجود امرأة أخرى فيخالف ما مر من الاكتفاء بامرأة ثقة ثم رأيت في منية المفتى ما نصه: الخلوة بالأجنبية مكروهة وإن كانت معها أخرى كراهة تحريم. (كتاب الحظر والاباحة، فصل في النظر والمس، ج:۶،ص:۳۴۸،ط:سعید)

المبسوط للشیبانی میں ہے:

ان أمهن في مسجد جماعة أو فى بيت ومعه امرأة ذات محرم منه قال لا بأس بذلك. (كتاب الصلوة، باب المسافر، ج:۱،ص:۲۸۸،ط:إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

يكره عندهم حضورهن الجماعة مطلقاً ولو الجمعة والعيد والوعظ ليلاً، أما نهاراً فجائز إن أمنت الفتنة، على المذهب المفتى به كما بينا سابقاً، وتكره أيضاً إمامة الرجل لهن فى بيت ليس معهن رجل غيره، ولا محرم منه كأخته أو زوجته، فإذا كان معهن واحد ممن ذكر، أو أمهن فى المسجد، لا يكره".(كتاب الصلوة، فصل فى شروط صحة الإمامة أو الجماعة، ج:۲،ص:۱۱۹۵،ط:دارالفکر)

(۱) کتاب النوازل، تراویح کی نماز، ج۵،ص۹۱، باشر: المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مرادآباد

اندیشہ ہے۔(مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱۔۳۴۷۔فتاوی دارالعلوم ۴۔۲۵۰)

"كما تكره إمامة رجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كاخته أو زوجته أو أمته أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لا يكره" (الدر المختار مع الشامي: ج۲،ص:۳۰۷،زکریا)

گھر کی جماعت میں خواتین کے ساتھ مرد بھی شامل ہوں:

اگر گھر میں جماعت ہو اور اس میں مرد حضرات کے ساتھ خواتین شامل ہو تو خواتین کی شرکت یا اس جماعت کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلے میں فتاوی دارالعلوم [1] میں ہے:

گھروں کی نماز باجماعت میں مردوں کے ساتھ وہ عورتیں شامل ہوسکتی ہیں، جن کا جماعت میں شامل مردوں سے پردہ نہ ہو؛ البتہ عورتوں کی صف مردوں کے پیچھے ہوگی۔اور جن عورتوں کا مردوں سے پردہ ہو، وہ جماعت میں شامل نہ ہوں؛ بلکہ اگر جماعت کے لیے گھر میں دو یا تین مرد ہوں تو عورتوں کو جماعت میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ شریعت میں عورتوں کے لیے نماز باجماعت، کسی بھی درجے میں مطلوب ومقصود نہیں ہے؛ بلکہ عورتوں کے لیے سب سے افضل نماز، گھر کے اندر کی کوٹھری کی ہے۔اسی طرح اگر گھر میں صرف ایک مرد ہو تو وہ جماعت کی فضیلت کے لیے صرف بیوی کے ساتھ جماعت کرلے، اس میں بھی گھر کی سب عورتوں کو شریک کرنے کی ضرورت نہیں۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مرد امام صرف محرم عورتوں کی امامت کرے تو یہ جائز ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مرد امام آگے کھڑا ہوگا بالکل برابر کھڑا نہیں ہوگا، اور اگر مرد امام صرف غیر محرم خواتین کی امامت کرے تو یہ صورت مکروہ ہے۔اگر کوئی مرد عورتوں کی امامت کرے

---

(۱) سوال نمبر:۱۷۸۷۴۴ (جواب نمبر:۱۷۸۷۴۴)

جس میں پردے کے ساتھ غیر محرم عورتیں شریک ہو جائیں تو یہ درست ہے لیکن احتیاط کے خلاف ہے، اور اگر مرد امام کے ساتھ مرد حضرات بھی ہوں تو پردے کے ساتھ غیر محرم عورتیں شریک ہو سکتی ہیں البتہ عورتوں کے لیے تنہا نماز پڑھنا اولی اور افضل ہے۔

(۴) خواتین کا مسجد میں نماز کے لیے جانا:

خواتین کے لیے مسجد میں جانے اور نہ جانے کے تعلق سے روایات مختلف ہیں، بعض روایتوں سے خواتین کے لیے مسجد میں جانے کا جواز معلوم ہوتا ہے جب کہ بعض روایات سے ممانعت ثابت ہوتی ہے تاہم اس امر پر اتفاق ہے کہ عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ یہ مسئلہ موجودہ دور میں مختلف حلقوں کی طرف سے مختلف دلائل ونصوص کی بنیاد پر بحث کا موضوع بنا ہوا ہے خاص طور پر خواتین تنظیموں اور جمہوری ملک میں حکومت کے مساوات مرد وزن کے نظریہ کی وجہ سے یہ ایک حساس مسئلہ بن گیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ شریعت کے منشاء کو سمجھا جائے اور اس تعلق سے تمام روایات کی معقول توجیہ کی جائے اس حوالے سے احقر نے حضرات اکابر علماء کی تحریرات کا خلاصہ یہاں پیش کیا ہے جس سے اس موضوع کو سمجھنا اور کسی نتیجے تک پہنچنا آسان ہوگا۔

منشائے شریعت

محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ:

خواتین کی مسجد میں نماز کے تعلق سے ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ پوری شریعت میں خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے کے بارے میں کوئی ترغیب ثابت نہیں ہے بلکہ ابو داؤد شریف کی حدیث سے اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ عورت کا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اپنی کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ خواتین نماز کے لیے مسجد نہ جائیں، اسی طرح ایک دوسری

حدیث میں ہے کہ اگر وہ جانا ہی چاہیں تو بغیر کسی زیب وزینت کے نکلیں، خوشبو وغیرہ نہ لگائیں، اگر وہ ایسا کریں گی تو وہ زانیہ سمجھی جائیں گی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسی اباحت ہے جس کی پشت پر رضامندی شامل نہیں ہے۔[۱]

علامہ کشمیری کا مذکورہ استنباط درس بخاری کا ہے، اب درس ترمذی میں بیان کردہ ایک دوسرا نکتہ بھی ملاحظہ فرمائیں جس کو مولانا بدر عالم نے پیش کیا ہے:

اور یہی راز ہے حضرت ابو ہریرہ کی ایک حدیث کا جو ترمذی میں مرفوعاً نقل ہے: سب سے بہتر صفوں میں مردوں کی پہلی صف ہے، اور سب سے بُری صفوں میں ان کی آخری صف ہے، اور خواتین کی سب سے بہتر صف ان کی آخری صف ہے، اور سب سے بُری صف ان کی پہلی صف ہے''۔ اس حدیث کو دیکھ کر انسان پہلی نظر میں حیران ہو جاتا ہے، کیوں کہ نماز بہترین عبادت ہے، تو اس میں کوئی برائی نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اس میں برائی اس لحاظ سے آئی ہے کہ خواتین مردوں کے قریب ہوتی ہیں۔ تو جو صف جتنی قریب ہوتی ہے، وہ اتنی ہی بُری ہوتی ہے، یعنی اس صف میں برائی ہے، قریب یا درمیان کوئی پردہ نہ ہونے کی وجہ سے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواتین کو جماعتوں میں شریک ہونے سے روکا جائے، کیوں کہ جماعت میں شرکت کرنا ایک اچھا عمل ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا نہ کہا جا سکتا تھا۔ لیکن باتوں کے درمیان یہ اشارہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کی رضا یہ تھی کہ وہ جماعتوں میں شریک نہ ہوں۔ اسی طرح، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) واعلم أن هنهنا سرا وهو أني لم أر في الشريعة ترغيبا لهن في حضورهن الجماعة، بل عند أبي داود ما يخالفه، فعن ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعا قال: صلاة المرأة في بيتها أَفْضَلُ مِن صلاتها في حُجرَتها، وصلاتها في مخْدَعِها أَفْضَلُ من صلاتها في بيتها .وهذا يدل على أَنَّ مَرْضَى الشَّرْع أن لا يخرجن إلى المساجد. وفي حديث آخر: إن كان لا بد لهُنَّ من الخروج فليخرجن تفلات بدون زينة، فلا يَتَعَطَّرْنَ، فإن فَعَلْن فهنَّ كذا وكذا. يعني زوان، فهذه إباحة لا عن رضا ء منه. (فيض الباري: ج۲،ص:۴۱۲)

گانے والی لڑکیوں کی آواز نہیں سنتے تھے، حالاں کہ وہ ان کے ساتھ تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے اس عمل کو منع نہیں کیا۔ اور ہم ان تمام باتوں کو اس کے متعلق وضاحت سے بیان کریں گے ان شاء اللہ۔ مختصر طور پر، اس حدیث کو اس بات کے لیے استعمال کیا گیا کہ خواتین کو جماعت میں نہ آنے کی ترغیب دی جائے، اور یہ بات میں نے شیخ رحمہ اللہ کے درس ترمذی سے سمجھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا صحیح ہے۔[1]

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ:

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

پس مساجد سے رک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے، نہ ایماء، نہ ترغیب ہے، نہ تشویق؛ ہاں ایک اباحت اور اجازت محضہ ہے اور وہ بھی عدم ممانعت کے عنوان سے اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ

---

(۱) وهذا هو السر. في حديث أبي هريرة تالفة مرفوعا عند الترمذي: خير صفوف الرجال أولها، وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها، وشَرُّها أولها اهـ. فإن المرة يتعجب منه في أول نظرة، لكون الصلاة خير موضوع، فلا يكون في صفوفها شر. ولكن إنما جاء الشر. فيها من جهة قرب النساء من الرجال. فكل صف كان أقرب منهن. أو كان أقرب منه كان شراء لا بمعنى أن فيه شرا الآن، بل بمعنى أنه على شفا جرف هار. فالشر. في حواليه ليس بينه وبين حاجب، فهذا نحو تلميح للنساء أن لا يَحْضُرْنَ الجماعات من عرض الكلام، لا بصريح القول، فإن الحضور إلى الجماعات خير لا ينبغي لصاحب النبوة أن ينهى عنه في زمانه، ولكنه يفهم من أطراف الكلام أن رضائه في عدم الحضور وهو الشاكلة في سماعه غناء الجاريتين، فإنه لم يكن يستمع لغنائهما وكان متغشيا بالثوب، ومع ذلك لم ينه عنه أيضًا، وسنقرره في موضعه إن شاء الله تعالى، وبالجملة هذا الحديث أيضًا يبنى على ترغيبهن بعدم حضور من الجماعات، هكذا فهمت من كلام الشيخ رحمه الله تعالى في درس الترمذي. والله تعالى أعلم بالصواب. (فيض الباري مع حاشية البدر الساري: ج۲،ص:۳۱۲،۴۱۳، كتاب الاذان، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الاولى:۲۰۰۵ء)

بھی شوہروں کی اجازت پر محمول، پھر عورتوں کے لیے مکان صلاۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں، یعنی: پہلے کوٹھری، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر اور باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا، پھر ان بیسیوں قیود وشرائط کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی یہ عورت جب مسجد پہنچ گئی تو خدا کے دربار میں بھی جب کہ تھوڑی دیر کے لیے مادی ظلمتوں سے ہٹ کر روحانیت میں مست ہو جاتے ہیں اور بظاہر شہوات کی طرف طبیعتوں کا کوئی التفات نہیں رہتا؛ عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے؛ بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے نہیں؛ بلکہ نوعمر بچوں کے بھی پیچھے ہوں؛ عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔ (۱)

حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ:

حضرت مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری قدس سرہ فرماتے ہیں:

جان لو کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں فرض نمازوں، عیدین کی جماعتوں میں شریک ہوتی تھیں، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے نہ روکو'' سے بھی ظاہر ہے۔ تاہم، فقہاء نے اس معاملے میں سختی کی ہے، حتیٰ کہ بعد کے فقہاء نے مطلقاً عورتوں کے باہر نکلنے اور جماعتوں میں شریک ہونے کو منع کر دیا۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے جو ابوداود نے نقل کی ہے: ''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ باتیں دیکھ لیتے جو عورتوں نے بعد میں ایجاد کیں، تو انہیں مساجد سے اسی طرح روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں''۔ یہ روایت بخاری نے تعلیقاً ذکر کی ہے، اور یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً روایت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کے ساتھ واقعہ، جو کہ مسجد جانے پر مبنی تھا،

(۱) شرعی پردہ، ص: ۳۳، ۳۷، ۴۴، ادارہ اسلامیات، لاہور.

اور بخاری میں موجود ہے، نیز امام عبداللہ بن مبارکؒ نے ترمذی میں عورتوں کے مسجد جانے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ترمذی میں موجود ہے: ''مردوں کی سب سے بہترین صف پہلی ہے اور سب سے بری آخری، جبکہ عورتوں کی سب سے بہترین صف آخری ہے اور سب سے بری پہلی''۔

ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شارع کے نزدیک عورتوں کا باہر نکلنا پسندیدہ یا مستحسن نہیں ہے۔ انہیں جماعت میں شریک ہونے کی ترغیب بھی نہیں دی گئی، جیسا کہ مردوں کو دی گئی ہے۔ بلکہ ان پر زور دیا گیا اور ان کے نہ آنے پر سختی کی گئی، جیسا کہ دیگر احادیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت کی نماز گھر کے کسی کونے میں افضل ہے، اور اس کی نماز کمرے کے اندر ایک محفوظ مقام میں، گھر کی نماز سے زیادہ افضل ہے۔'' یہ حدیث ابوداود نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شارع کی رضامندی اس میں ہے کہ عورتیں مسجدوں میں نہ جائیں۔ اسی وجہ سے ان پر جمعہ کی نماز بھی فرض نہیں کی گئی۔ اگر کبھی باہر نکلنا ضروری ہو تو وہ بغیر زینت کے نکلیں اور شرعی حدود کا لحاظ رکھیں، جیسا کہ احادیث میں واضح ہے۔ ان باتوں نے فقہاء کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ عورتوں کے نکلنے پر سختی کریں اور ان کے لیے ممانعت کا حکم دیں۔ یہ عمل کسی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

عیدین کے موقع پر عورتوں کا جانا نماز کے لیے نہیں تھا، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی کثرت دکھانے اور اجتماعی دعا میں شرکت کے لیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حائضہ عورتوں کو بھی عیدگاہ میں لانے کا حکم تھا، ورنہ حیض کی حالت میں وہ نماز میں شریک نہیں ہو سکتی تھیں۔ مزید تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: آج کے دور کے اہلِ حدیث اس حدیث کو بنیاد بنا کر اپنی عورتوں کو عیدگاہ لے جاتے ہیں، اور وہ زینت کے لباس پہنتی ہیں، حالاں کہ عوام ان عورتوں کو

دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ ''إنا لله وإنا إليه راجعون'' اس سے بے شمار فتنے پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ اہلِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ اہلِ حدیث ظاہر پرست لوگ ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے، لہٰذا اس سے خبردار رہنا چاہیے۔ امام رافعی نے اپنی شرح کبیر میں ذکر کیا ہے کہ صیدلانی نے کہا: عورتوں کے نکلنے کی اجازت اس وقت کے لیے تھی، لیکن آج کے زمانے میں یہ مکروہ ہے، کیوں کہ لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی معنی روایت کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ باتیں دیکھ لیتے جو عورتوں نے ان کے بعد ایجاد کیں، تو انہیں مساجد سے روک دیتے''۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

جو لوگ موجودہ زمانے میں احناف پر اعتراض کرتے ہیں، وہ احناف کے مذہب کو صحیح طریقے سے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس مسئلے کو میرے شیخ، مفتی کفایت اللہ دہلوی، جو جمعیت علمائے ہند کے صدر تھے، نے اپنی رسالہ کف المؤمنات عن حضور الجماعات میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔[1]

---

(۱) اعلم أنه يستفاد من الأحاديث أن النساء كن يحضرن الجماعات في المكتوبات والعيدين مع قوله صلى الله عليه وسلم: لا تمنعوا إماء الله عن المساجد ومع ذلك قد ذهب الفقهاء إلى التضييق حتى أن المتأخرين منهم منعوهن عن الخروج والحضور مطلقا ويؤيده ما رواه أبو داؤد عن عائشة قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد كما منعت نساء بني إسرائيل الحديث، وذكره البخاري تعليقا في صحيحه وهو عن ابن مسعود رضي الله عنه مرفوع أيضًا وقصة عمر مع امرأته حيث كانت تذهب إلى المسجد وهي في البخاري، وكراهة خروجهن عن عبد الله بن المبارك عند الترمذي. ص:۸۰، وحديث أبي هريرة مرفوعاً عند الترمذي ،ص:۳۰، خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أولها. وبهذا كله يظهر أن في نظر الشارع خروجهن ليس بمرغوب .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

اس مسئلہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کے رسالہ کف المؤ منات عن حضور الجماعات کا خلاصہ پیش ہے جس سے موضوع کو سمجھنا مزید آسان ہوگا۔ ذیل میں مذکورہ رسالہ کا خلاصہ لکھا جاتا ہے:

حضرات فقہائے حنفیہ رحیم اللہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں نماز پنجگانہ اور عیدین کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں، وہ اس کا

.....گذشتہ کا بقیہ.....ومستحسن ومرضی ولم یرغبهن فی حضورهن کما رغب الرجال فیه بل شدد علیهم وأوعدهم فی عدم الحضور کما فی الأحادیث وقد قال صلی الله علیه وسلم: صلاة المرأة في بیتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بیتها رواه أبو داود عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه، وهذا یدل بأعلی نداء علی أن رضاء الشارع في أن لا یخرجن إلی المساجد ولذا لم یوجب علیهن الجمعة وإن کان لابد من الخروج فلیخرجن تفلات بدون زینة وإلا یکن کذا وکذا کما فی الأحادیث، فهذه وأمثالها أمور وتلمیحات من الشارع أو جبت علی الفقهاء أن یضیقوا علیهن فی الخروج وأن یحکموا بالمنع وهذا لیس بخلاف الحدیث، وحضورهن فی العیدین لم یکن للصلاة کما زعموا بل للتکثیر ولشرکة المسلمین في الدعاء وإلا فما الفائدة في اخراج الحیض هذا وللبسط موضع آخر .قلت: قد ذهب أهل حدیث زماننا إلی هذا الحدیث یخرجون نسائهم إلی العید مع لباس الزینة وشددوا في ذلک وعوام الناس یذهبون إلی رؤیتهن فإنا لله وإنا إلیه راجعون وتنشأ بهذا فتن کثیرة کما لا یخفی علی أصحاب بصیرة وأهل الحدیث الظاهریة لا یعبأون بذلک فالحذر الحذر عن ذلک وقال الرافعی في شرحه الکبیر ذکر الصیدلانی أن الرخصة فی خروجهن وردت في ذلک الوقت وأما الیوم فیکره لأن الناس قد تغیروا وروی هذا المعنی عن عائشة انتهی قال الحافظ فی التلخیص کأنه یشیر إلی حدیث عائشة لوأدرک النبی صلی الله علیه وسلم ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد وهو متفق علیه انتهی. ومن طعن فی ذلک من أبناء الزمان علی الأحناف فمن قلة التدبر في مذهبهم وقد أوضح المسئلة شیخی المفتی کفایة الله الدهلوي رئیس جمعیة علماء الهند في رسالته کف المؤمنات عن حضور الجماعات. (حاشیه کتاب الحجه علی أهلُ المدینه :ج۱،ص:۳۰۴،۳۰۷،دار عالم الکتب بیروت، الطبعه الثالثه:۱۴۰۳ھ۔

نہایت بلند آواز سے اقرار کرتے ہیں۔ پس حنفیہ کے سامنے اور ان کے مقابلے میں ایسی حدیثیں جن سے صرف آں حضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عورتوں کا جماعت میں جانا ثابت ہوتا ہو، پیش کرنا مفید نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ آیا اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ کچھ احادیث ہیں جن میں اس بات کو پیش کیا گیا کہ عورتوں کی نماز گھر میں افضل ہے صرف بطور علامت دو تین احادیث پیش کرتا ہوں:(۱)

ان تمام حدیثوں سے درج ذیل باتیں صراحتاً ثابت ہوتی ہیں:

ا۔ عورتوں پر جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں، بلکہ ان کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

---

(۱)عن أم سلمة رضي اللّٰه تعالى عنها، عن النبي صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم قال: صلاة المرأة في بيتها خير من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في حجرتها خير من صلاتها في دارها، وصلاتها في دارها خير من صلاتها في خارج(رواه الطبراني في الأوسط كذا في كنز العمال) (كنز العمال، كتاب النكاح، فرع في خروج النساء للصلاة إلخ، رقم الحديث:۴۵۱۷۷)۲۱/۷۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال لها: قد علمت أنك تحبين الصلاة معي وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك، وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك، وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك، وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي .(رواه الإمام أحمد وابن حبان كذا في كنز العمال) (كنز العمال، كتاب الصلاة، فصل في حكم خروج النساء إلى المسجد :۷/۲۷۶،رقم الحديث: ۲۰۸۷۰) دار الكتب العلمية بيروت)

وأورده الهيثمي في مجمع الزوائد وزاد: فأمرت فبنى لها مسجد في اقصى بيت في بيتها، وأظلمه فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عز وجل .قال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح غير عبدالله بن سويد الأنصاري، ووثقه ابن حبان (مجمع الزوائد، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد وغير ذلك، (رقم الحديث:۲۱۰۲:۲/۱۵۴، دار الفكر بيروت)

۲۔عورتوں کا آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں جماعتوں میں حاضر ہونا محض اباحت کی بنا پر تھا، نہ کہ تاکید یا فضیلت واستحباب کی بنا پر۔

۳۔باوجود اس رخصت واباحت کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور تعلیم ان کے لئے یہی تھی کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور اس کی ترغیب دیتے تھے اور فضیلت بیان فرماتے تھے۔

۴۔یہ بات ثابت ہے کہ ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی تعلیم وترغیب پر عمل کر کے مدۃ العمر اپنی کوٹھری کے اندر نماز پڑھی۔اور یہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کا عین اتباع اور آپ کی خواہش کی تکمیل تھی۔

۵۔یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورت کے گھر سے نکلنے کو محل فتنہ فرماتے ہیں اور اپنی کوٹھری میں رہنا، اس کے لئے باعث تقرب الی اللہ، اسی لئے بعض احادیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ مبالغہ سے قسم کھا کر اس کی ہر نماز کو گھر کی کوٹھری میں افضل فرماتے ہیں۔

۶۔آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کی کوٹھری کے اندر کی نماز دالان کی نماز سے افضل اور دالان کی نماز صحن دار کی نماز سے افضل اور صحن کی نماز مسجد محلّہ کی نماز سے افضل اور مسجد محلّہ کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے افضل ہے۔پس اس میں کیا شبہ رہا کہ عورتوں کو جماعت میں اور مسجد نبوی میں حاضر ہونا کسی استحباب وفضیلت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ محض مباح تھا۔

پس کس قدر افسوس ہے ان لوگوں کے حال پر جو عورتوں کو مسجد میں بلاتے اور جماعتوں میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں۔آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کی مرضی ومنشا کے خلاف انہیں تعلیم دیتے اور غضب یہ ہے کہ اسے سنت بتاتے ہیں اور اپنے اس فعل کو احیائے سنت سمجھتے ہیں، اگر عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا سنت

ہوتا تو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مسجد کی نماز سے مسجد محلّہ کی نماز کو اور مسجد محلّہ کی نماز سے گھر کی نماز کو افضل کیوں فرماتے؟ کیوں کہ اس صورت میں گھر میں تنہا نماز پڑھنا عورتوں کے لئے ترک سنت ہوتا تو کیا ترک سنت میں ثواب زیادہ تھا اور سنت پر عمل کرنے میں کم؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر گویا ترک سنت کی ترغیب دیتے تھے؟ شاید یہ لوگ اپنے آپ کو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ اور اپنی مسجدوں کو مسجد نبوی سے زیادہ افضل سمجھتے ہیں۔

اس طرح کی تمام حدیثوں کے دیکھنے کے بعد کسی سمجھ دار شخص کو اس میں شبہ نہیں رہے گا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا محض رخصت واباحت کے طور پر تھا، نہ کہ افضلیت واستحباب کے طور پر لیکن آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث لوگوں کو یہ سمجھتا تے ہیں کہ عورتوں کا جماعتوں میں جانا عیدین میں حاضر ہونا سنت ہے، بلکہ سنت بھی مؤکدہ ہے۔ حالاں کہ سب جانتے ہیں کہ سنت موکدہ اسے کہتے ہیں جس کے تارک پر ملامت ہوتی ہے اور ترک پر اصرار کرنے والا مستحق سزا ہوتا ہے۔ جیسے جماعت کہ مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی شخص جماعت میں حاضر نہ ہو تو مستحق ملامت ہوگا اور ترک کی عادت ڈالنے والا مستحق سزا ہوگا۔

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں حاضر نہ ہونے والوں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے جماعت عشاء میں حاضر نہ ہونے کی عادت کر لی تھی۔ پس اگر عورتوں کے لئے جماعت سنت مؤکدہ ہوتی تو ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنہوں نے مدۃ العمر گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھی، مستحق سزا ہوتیں۔ بلکہ اگر جماعت عورتوں کے لئے مستحب اور افضل بھی ہوتی تو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب نہ دیتے، حالاں کہ وہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی رغبت اور خواہش رکھتی تھیں۔

اس گروہ کی غلط بیانی کے طلسم کو توڑنے کے لئے ہم ان حدیثوں کو یہاں پر ذکر کرتے ہیں جنہیں یہ عمل بالحدیث کا دعویٰ کرنے والے لوگوں کو سنا سنا کر عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا سنت بتاتے ہیں اور ان احادیث نبویہ کے صحیح معنی پیش کرتے ہیں، جن سے ناظرین انصاف پسند خود موازنہ کرلیں گے کہ ان مدعیان عمل بالحدیث کا دعوئی ان حدیثوں سے کہاں تک ثابت ہوتا ہے۔

"لا تمنعوا النساء حظورهن من المساجد إذا استأذنكم" (الصحيح لمسلم، "كتاب الصلاة:باب خروج النساء إلى المساجد": ج۱،ص:۱۸۳،قديمی)

ترجمہ: عورتوں کے مساجد میں حضور کو نہ روکو، جب وہ اجازت مانگیں۔

"لا يمنعن رجل أهله أن يأتوا المسجد" (مسند الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى، حديث عبدالله بن عمر فاروق رضى الله تعالى عنهما، (رقم الحديث:۴۹۱۴) ج۲،ص:۱۲۲،دار إحياء التراث العربى بيروت)

ترجمہ: کوئی شخص اپنے اہل خانہ کو مسجد میں جانے سے نہ روکے۔

"لا تمنعوا نساء كم المساجد" (سنن أبى داود، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى خروج النساء إلى المسجد: ج۱،ص:۹۱،إمداديه)

ترجمہ: اپنی عورتوں کو مسجد سے نہ روکو۔

"إذا استأذنت امرأة أحدكم إلى المسجد فلا يمنعها" (صحيح البخارى، كتاب الصلاة، باب استئدان المرأة زوجها بالخروج إلى المسجد: ج۱،ص:۱۲۰،قديمى) رقم:۸۶۸، ج۳،ص:۸.

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو ہرگز اسے منع نہ کیا جائے۔

یہ حدیثیں عید احمدی میں اسی طرح لکھی ہیں، ہم نے بعینہ اسی سے یہاں نقل کردی ہیں۔ لیکن ان حدیثوں میں کیا ہے؟ صرف یہ کہ خاوندوں کو عورتوں کو مسجد میں جانے سے

روکنے کی ممانعت ہے، ان حدیثوں سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانا مستحب یا سنت مؤکدہ ہے، عورتوں کو چوں کہ آپ کے زمانے میں مسجدوں میں جانا مباح تھا تو اس اباحت ورخصت سے فائدہ اٹھانے کا حق انہیں حاصل تھا، اس لئے مردوں کو ان کے روکنے سے منع فرمایا تا کہ ان کا یہ حق زائل نہ ہو۔[۱]

دوسرے یہ کہ اس وقت عورتوں کے مسجد میں آنے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ عورتوں کو تعلیم کی بہت حاجت تھی اور اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ مسجد میں حاضر ہو کر آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال نماز کو دیکھیں اور اگر کوئی بات پوچھنی ہو تو خود پوچھ لیں۔ **"کذا قال الشیخ الدھلوی"**[۲]

تیسرے یہ کہ چوں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ فتنہ وفساد سے مامون تھا، اس لئے اس وقت مردوں کا عورتوں کو روکنا خوف فتنہ کی وجہ سے نہ ہوتا، بلکہ محض شیخی اور تکبر کی بنا پر ہوتا۔ لہٰذا آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں کو فرمایا کہ عورتوں کو نہ روکیں۔ **(کما في حجة الله البالغة)**[۳]

---

(۱) مولوی عبدالستار جو اہل حدیث ہیں انہوں نے کف المومنات عن حضور الجماعات کے جواب میں عید احمدی نامی کتاب لکھی اور حضرت مفتی صاحب کے رسالے کے رد میں احادیث پیش کی تو آپ اسی کا جواب دے رہے ہیں۔

(۲) وقیل: لأن الغرض من حضور هن كان ليتعلمن الشرائع ولا احتياج إلى ذلك في زماننا لشيوعها والتستر بهن أولى. (لمعات التنقيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأول: ج۳، ص:۲۸۲، مكتبة المعارف العلمية)

(۳) وعبارته منها ما إذا كان خوف فتنة كامرأة أصابت بخوراً ولا اختلاف بين قوله صلى الله تعالى عليه وسلم "إذا استأذنت امرأة أحدكم إلى المسجد فلا يمنعها وبين ما حكم به جمهور الصحابة من منعهن إذ المنهى الغيرة التى تنبعث من الأنفة دون خوف الفتنة، والجائز ما فيه خوف الفتنة، وذلك قوله صلى الله تعالى عليه وسلم" الغيرة غيرتان الحديث، وحديث عائشة "إن النساء أحدثن" الحديث. (حجة الله البالغة، من الحرج خوف الفتنة: ج۲، ص:۶۶، قديمی)

واضح ہو کہ جناب سرور دو عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد ہی صحابہ کرام کے سامنے ہی حالت بدل گئی اور فتنہ فساد و بدنیتی شروع ہوگئی اور خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہی عورتوں کو منع کرنا شروع کر دیا۔ اور ان کی یہ ممانعت خدا اور رسول کے حکم سے ہی ماخوذ تھی، جیسا کہ آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔

پس علمائے حنفیہ رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں کہ عورتوں کے لئے اب اجازت نہیں ہے کہ وہ جماعتوں میں حاضر ہوں، بلکہ ان کو گھروں میں نماز پڑھنا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو افضل اور بہتر تھا لیکن اب ضروری ہو گیا۔ اس حکم کے لئے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

"عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت: لو أدرک رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی إسرائیل" (الحدیث بخاری)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اگر آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی یہ حرکات دیکھتے جو انہوں نے اب ایجاد کی ہیں تو ان کو مسجدوں سے روک دیتے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔

"وقد ثبت ذلک من حدیث عروة عن عائشة رضی الله تعالی عنها موقوفاً أخرجه عبد الرزاق بإسناد صحیح ولفظه:" قالت: کن نساء بنی إسرائیل یتخذن أرجلا من خشب یتشرفن للرجال فی المساجد، فحرم الله علیهن المساجد، وسلطت علیهم الحیضة، وهذا وإن کان موقوفاً

---

(۱)(صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل: ج۱،ص:۱۲۰، قدیمی مکتبه زکریا رقم :۸۶۱،والصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء إلی المساجد: ج۱،ص:۱۸۳،قدیمی)

لكن حكمه حكم الرفع؛ لأنه لا يقال بالرأى فتح الباري [۱]، عون المعبود [۲]،نيل الأوطار [۳] زرقاني [۴]"

ترجمہ: بنی اسرائیل کی عورتوں کا مسجدوں سے روکا جانا اس حدیث سے ثابت ہے جو عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ بواسطہ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں لکڑی کے پاؤں بنالیتی تھیں، تاکہ ان پر اونچی ہوکر مسجدوں میں مردوں کو جھانکیں تو اللہ نے ان پر مسجد میں حرام کردیں اور حیض ان پر مسلط کردیا گیا۔اور یہ روایت اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا پر موقوف ہے، لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔کیوں کہ ایسی بات محض رائے اور قیاس سے نہیں کہی جاتی۔

حافظ ابن حجر، قاضی شوکانی، علامہ زرقانی شارح موطا امام مالک، صاحب عون المعبود، ان سب نے روایت کو حکما مرفوع مانا ہے اور صحیح ہونا تسلیم کیا ہے۔پس اس حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں:

بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھنے آتی تھیں اور انہیں آنے کی اجازت تھی۔جب انہوں نے یہ حرکت کی کہ لوگوں کو دیکھنے کے لئے لکڑی کے اونچے پاؤں بنا کر جھانکنا شروع کردیا اور بدنیتی ان میں پیدا ہوئی تو خدا نے ان پر مسجدوں میں آنا حرام کر

---

(۱)(فتح الباری، کتاب الأذان، باب انتظار الناس قیام الإمام العالم: ج۲،ص:۴۴۵،قدیمی)

(۲)(عون المعبود، کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ذلک: ج۲،ص:۲۰۸،دارالفکر بیروت)

(۳)(وکذا فی نیل الأوطار، باب حضور النساء المساجد وفضل صلاتھن فی بیوتھن، (رقم الحدیث:۵): ج۳،ص:۱۳۲،دارالجیل)

(۴)(زرقانی علی موطأ إمام مالک، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی خروج النساء إلی المساجد، (رقم الحدیث:۴۶۹، ج۲،ص:۶،الاستقامۃ بالقاھرۃ)

دیا۔ پس بنی اسرائیل کے لئے خدا کا حکم عورتوں کی بدنیتی اور فساد کے وقت یہ تھا کہ مسجدوں میں آنا ان پر حرام ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری حدیث سے صراحتا یہ بات ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد عورتوں نے اپنی حرکتیں ایجاد کی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو یقیناً منع فرما دیتے، جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں سے روک دی گئی تھیں۔ پس بدنیتی اور فساد کا پیدا ہونا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے ثابت ہو گیا اور بدنیتی اور فساد پیدا ہونے کے وقت عورتو پر مسجدوں میں آنے کی حرمت خدا کے اس حکم سے ثابت ہوئی جو بنی سرائیل کی عوتوں کو دیا گیا تھا۔ پس یقیناً امت محمدیہ کی عورتوں کو بوجہ بدنیتی اور فساد پیدا ہو جانے کے خدا کے حکم سے مسجدوں میں جانا حرام ہوا۔ یہ اس لئے کہ پہلی امتوں میں جو خداوندی احکام تھے، اگر وہ منسوخ نہ ہوئے ہوں تو ان کی پیردی اور اتباع ہمارے اوپر اسی طرح ضروری اور لازم ہے جیسا کہ اپنی شریعت کی پیروی اور اتباع لازم ہے۔

مگر چوں کہ پہلی شریعتوں کی کتابیں محفوظ نہیں، اس لئے ان کی موجودہ کتابوں کے احکام کی تعمیل ہماری ذمہ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ موجودہ احکام کا احکام خداوندی ہونا یقینی نہیں ہے، لیکن جب کسی حکم کو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان فرمادیں، کہ یہ شرائع سابقہ میں سے کسی شریعت کا حکم تھا اور ہماری شریعت میں وہ حکم منسوخ نہ ہوا ہو تو یقیناً اس پر عمل کرنا ہمارے ذمہ اپنی شریعت کے حکم کی طرح ضروری اور لازمی ہے۔ (۱)

---

(۱) ومما يتصل بسنة نبينا عليه السلام شرائع من قبله، والقول الصحيح فيه: أن ماقص الله تعالى أو رسوله منها من غير إنكار يلزمنا على أنه شريعة لرسولنا صلى الله تعالى عليه وسلم .الحسامي، بحث السنة :ج۱،ص:۹۲،۹۳،مير محمد كتب خانه وشرائع من قبلنا تلزمنا إذا قص الله ورسوله من غير إنكار. (نور الأنوار، بحث أفعال النبى صلى الله تعالى عليه وسلم، ص:۲۱۶،سعيد)

جب کہ اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہو گیا کہ فتنہ وفساد کے وقت بنی اسرائیل کی عورتوں پر خدا تعالی نے مسجدوں میں آنا حرام فرمادیا تھا تو یقیناً یہی حکم امت محمدیہ کی عورتوں کے لئے بھی واجب الاتباع اور خدا کا حکم ہے اوران پر مسجدوں میں آنا اس حکم خداوندی کی بنا پر حرام ہے۔ یہ دلیل نہایت صاف اور واضح ہے اور کسی قسم کا اس میں شک وشبہ نہیں ہے،۔اس کے بعد آپ نے کچھ شبہات کے جوابات دیے ہیں جو کافی طویل ہیں آپ کفایت المفتی ج ۴ مکتبہ زکریا ص ۳۹۶ سے باب کے اختتام تک مطالعہ کر سکتے ہیں۔

منشاء شریعت کے تذکرہ کے بعد مزید وضاحت کے لئے اکابر علماء دیوبند کے فتاوے پیش ہیں تا کہ یہ واضح ہوجائے کہ حضرات اکابر کے فتاوے اسی منشاء شریعت کے مطابق ہیں۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کتاب الفتاوی میں لکھتے ہیں:[1]

علماء کرام کتاب وسنت کے منشا ومقصد کی توضیح کرتے ہیں، نہ وہ اپنے طور پر حلال یا حرام کرنے کے مجاز ہیں، اور نہ ہی وہ ایسا کرتے ہیں، اس لیے علماء کرام پر الزام نہ لگانا ہے چاہیے، عورتوں کا گھروں میں نماز پڑھنا خود قرآن وحدیث سے ثابت ہے، قرآن خواتین سے ہے کہتا ہے کہ اپنے گھروں میں رہیں: ﴿وقَرْنَ فِي بُيُوتِكُن﴾ حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، (مجمع الزوائد ،عن ابن مسعود الله،رقم حديث :۲۱۰۹،باب خروج النساء الى المساجد الخ) حضور کے زمانہ میں خواتین مسجد جایا کرتی تھیں، یہ صحیح ہے، لیکن آپ نے اسے کم بہتر عمل قرار دیا، پھر اس کا مقصد خواتین کو تعلیم سے بہرہ ور کرنا، آپ پر نازل ہونے والی آیات اور احکام سے مطلع کرنا، نیز نماز کی عملی تعلیم فراہم کرنا تھا، کیوں کہ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا، پریس اور کتابوں کا زمانہ نہیں تھا، نہ آج کی طرح مدارس اور درسگاہیں تھیں، لوگ بھی پاکباز اور پاکیزہ نگاہ تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو بڑی زیرک اور فہم

(۱) کتاب الفتاوی، جماعت کا بیان: ج ۲، ص: ۲۸۲، ناشر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند.

رسا کی مالک تھیں) نے اپنے زمانہ کے حالات کو دیکھ کر فرمایا کہ اگر حضور نے آج کی خواتین کو دیکھا ہوتا تو ان کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے۔(صحیح مسلم ،عن عائشة رضی الله تعالی عنها،رقم الحدیث:۹۹۹،باب خروج النساء إلی المساجد)

اسی لئے فقہاء نے منشا شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے عورتوں کے مسجد میں جانے کو غیر بہتر قرار دیا ہے۔(دیکھئے:الفقه الإسلامي و أدلته: ج۲،ص:۱۵۵،۱۵۳،محشی)

جہاں تک سعودی عرب کی بات ہے تو اول تو سعودی عرب میں کسی بات کا مروج ہونا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں، معیار کتاب وسنت اور کتاب وسنت کا علم رکھنے والے علماء کی رائے ہے، نہ ہی کسی خاص خطہ اور علاقہ کا عمل، دوسرے سعودی عرب کے قوانین بہت سخت وہیں، وہاں زنا پر سزائے موت دی جاتی ہے، پردہ کی پابندی کرائی جاتی ہے، اور بے پردہ گھر سے نکلنے والی خواتین کی سرزنش کی جاتی ہے، پھر حرمین شریفین کی قربت کی وجہ سے مجموعی ماحول پر صلاح کا غلبہ ہے، اس لئے وہاں فتنہ کے مواقع اور اندیشے کم ہیں، مساجد کو بازاروں پر قیاس کرنا بھی درست نہیں، بازار میں آئے دن ناخوشگوار واقعات پیش آتے رہتے ہیں، پولیس کی ڈیوٹی متعین کرنی پڑتی ہے اور سڑک چھاپ فرہادوں کی گرفتاری بھی عمل میں آتی رہتی ہے، جب بازار میں کوئی برائی ہوتی ہے تو برائی بازار کی طرف منسوب ہے اور اس سے وہ طبقہ بدنام ہوتا ہے جس کی لغت میں نیک نامی کا لفظ ہی پایا نہیں جاتا مسجدوں میں اگر ایسے واقعات پیش آئیں تو مسجدوں کی اور نمازیوں کی بدنامی ہوگی، اور یہ رسوائی دین اور دین کے ایک اہم عمل کی طرف منسوب کی جائے گی، ظاہر ہے یہ بہت نامناسب بات ہوگی، آج کے مندروں میں اور بعض دوسرے ایسے مذہبی مقامات پر جہاں مخلوط مجمع ہوتا ہے، ایسے ناخوشگوار بات کا پیش آنا نادر اور عجیب نہیں۔

پھر خواتین اور بہنوں کا اس پر معترض ہونا حیرت انگیز ہے، عورتوں کو اس حکم میں سہولت اور آسانی دی گئی ہے، اور مشقت سے بچایا گیا ہے، اس لئے ان حضرات کو خوش

ہونا چاہئے، نہ کہ معترض، ہاں اگر مرد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ علماء نے ہمیں مزید ایک مشقت میں مبتلا کر دیا ہے اور مسجد میں جانے کو ضروری قرار دے کر مشکل پیدا کر دی ہے تو یہ ایک حد تک سمجھ میں آسکتا تھا، لیکن عورتوں کا اس حکم پر اعتراض اور اس نسبت سے علماء ومشائخ سے بدگمانی بالکل ناقابل فہم ہے۔

حضرت مولانا مفتی امانت علی صاحب قاسمی:

مفتی امانت علی صاحب قاسمی فتاویٰ دارالعلوم وقف میں لکھتے ہیں:(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین نماز کے لیے مسجد میں آیا کرتی تھیں، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا گیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی خیر القرون کا زمانہ تھا، لیکن اس زمانہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فتنہ کے خوف سے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا؛ اس لیے حضرات فقہاء نے عورتوں کے لیے مسجد میں جماعت سے نماز کو مکروہ قرار دیا ہے۔ عبادات میں سب سے افضل اور اہم عبادت نماز ہے، جب عورتوں کو نماز کے لیے مسجد آنا پسندیدہ نہیں ہے، تو دیگر اصلاحی پروگراموں کے لیے آنا بھی پسندیدہ نہیں ہوگا۔ بہتر ہے کہ خواتین کا مسجد کے علاوہ کسی گھر یا مقام پر پروگرام کیا جائے، جہاں مردوں سے اختلاط نہ ہو۔ اور اگر عورتوں کے کے لیے مسجد میں علاحدہ نظم ہو جس میں کسی قسم کا اختلاط نہ ہو تو دینی پروگرام کرنے کی گنجائش ہے۔(۲)

---

(۱) فتاوی دارالعلوم وقف، عورتوں کی جماعت کا بیان ج۵ص۵۰۵ ناشر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

(۲) ان عائشة رضی اللہ عنہا قالت: لقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الفجر فيشهد معه نساء من المؤمنات متلفعات في مروطهن ثم يرجعن إلى بيوتهن ما يعرفهن أحد (أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الصلاة، باب كم تصلي المرأة في الثياب ج۱ص:۸۴، رقم:۲۷۲) عن ابن عمر فاروق رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تمنعوا نسائكم المساجد

.....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے مسجد کے مقابلہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے؛ اس لیے ان کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کی ترغیب دینا صحیح نہیں ہے، نیز آج فتنہ وفساد کا دور ہے، اگر عورتوں کو مسجد جانے کی عام اجازت دی جائے گی تو فساد میں مزید اضافہ ہوگا اور فتنہ کے مواقع بڑھ جائیں گے۔ بریں بنا مصلحت اسی میں ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت عام حالات میں نہ دی جائے۔ (فتاوی محمودیہ میرٹھ: ۴۴۱۷۹)[1]

.....گذشتہ کا بقیہ.....وبیوتهن خير لهن. (أخرجه أبو داود في سننه "كتاب الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد: ج۱ص:۸۳، رقم:۵۶۷) عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في حجرتها أفضل من صلاتها في بيتها. (أخرجه أبو داود في سننه، "كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك: ج۱ص:۸۴، رقم:۵۷۰) وكره لهن حضور الجماعة إلا للعجوز في الفجر والمغرب والعشاء، والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد. جماعة من علماء الهند الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ج۱ص:۱۴۶) وأما بيان من تجب عليه الجماعة فالجماعة إنما تجب على الرجال العاقلين الأحرار القادرين عليها من غير حرج فلا تجب على النساء. (الكاساني، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، "كتاب الصلاة، باب الجماعة فصل بيان من تجب عليه الجماعة: ج۱ص:۳۸۴) والفتوى اليوم على الكراهة في كل صلوات الظهور الفساد. عالم بن العلاء، التاتار خانية، كتاب الصلاة باب الجماعة: ج۱ص:۱۵۷)

(۱) عن عمرة بنت عبد الرحمن أن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بني إسرائيل. (صحيح البخاري، "باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس رقم:۸۶۹؛ صحيح مسلم، رقم:۱۴۴؛ سنن الترمذي، "باب في خروج النساء في العيدين"، رقم:۵۴۰) وعن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داؤد: ج۱ص:۸۴، "باب ما جاء في خروج .....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں خواتین کو مسجد میں نماز پڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی۔اس کے بجائے، انہیں گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، کیوں کہ گھر کی نماز مسجد سے افضل قرار دی گئی ہے۔بعض احادیث میں خواتین کو مسجد جانے کی اجازت دی گئی ہے،لیکن یہ اجازت اس وقت کے حالات کے تحت تھی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اکثر علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ موجودہ حالات میں خواتین کا مسجد جانا بہتر نہیں ہے، کیونکہ یہ فتنہ اور فساد کا سبب بن سکتا ہے۔جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی خواتین کو مسجد جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام منعقدہ سہ روزہ فقہی سمینار منعقدہ ۲۰ تا ۲۲ اکتوبر ۲۰۲۳ء میں مساجد میں خواتین کی آمد کے مسئلہ پر پورے ملک سے آئے ممتاز علماء، مفتیان کرام اور محققین کے طویل علمی بحث ومناقشہ کے بعد جو اہم تجاویز منظور کی گئیں وہ درج ذیل ہیں۔

تجاویز بابت مساجد میں خواتین کی آمد کا حکم شرعی

۱-اسلام میں مساجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، یہ عبادت کے ساتھ ملت کی روحانی تعلیمی، سماجی اور اصلاحی وفلاحی سرگرمیوں کا محور ہے۔

.....گذشتہ کا بقیہ.....النساء إلى المسجد) وكره لهم حضور الجماعة إلا للعجوز فى الفجر والمغرب والعشاء والفتوى اليوم على الكراهية فى كل الصلوات لظهور الفساد كذا فى الكافي. (الفتاوى الهندية: ج۱،ص:۹۸،کوئٹہ،در مختار مع الشامي: ج۲،ص:۳۰۷،زکریاء؛ البحر الرائق :ج۱،ص:۳۵۸،کوئٹہ؛بدائع الصنائع: ج۱،ص:۳۸۸،زکریا؛هداية: ج۱،ص:۱۲۶، دیوبند؛العناية على هامش فتح القدير :ج۱،ص:۳۶۵،دارالفکر بیروت؛قدوري:ص:۳۹؛فتاوی محمودیہ میرٹھ: ج۹،ص:۴۴۱، ڈابھیل؛ والفتوى اليوم على الكراهة فى الصلوات كلها لظهور الفساد. (بذل المجهود: ج۱،ص:۳۱۹،ملتان)

۲۔خواتین کے مسجد میں آنے کے سلسلہ میں احادیث میں کچھ شرائط کے ساتھ اباحت ثابت ہے، البتہ ان کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ باعث اجر ہے۔صحابہ کرام بھی خواتین کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کو افضل سمجھتے تھے۔

۳- اگر کوئی خاتون ضرورت کے تحت گھر سے باہر ہو اور نماز کے قضاء ہونے کا اندیشہ ہو اور قریب میں مسجد موجود ہو، تو وہاں نماز ادا کرسکتی ہے۔

۴۔خواتین کے دعوتی و اصلاحی پروگرام کے لئے کوئی مناسب جگہ مہیا نہ ہونے کی صورت میں مسجد میں پروگرام کرنے کی گنجائش۔

۵- جو خواتین ضرورت کے تحت گھر سے باہر ہوں ان کے لئے فرض نمازوں کی ادائیگی کے لئے جن مساجد میں گنجائش ہے وہاں کوئی گوشہ مختص کرنا درست ہے۔

۶ - شاہراہ عام، بازاروں اور عوامی جگہوں (ریلوے اسٹیشن، ایپر پورٹ، ہاسپیٹل وغیرہ) کے قریب تعمیر ہونے والی نئی مسجدوں میں خواتین کے لئے ان کے سہولیات کی رعایت کے ساتھ مخصوص حصہ بنایا جانا مناسب ہے۔

(۵) خواتین کا عیدگاہ کی جماعت میں شریک ہونا

خواتین کی جماعت کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ماقبل میں ہو چکی ہے، بعض دینی حلقوں کی طرف سے روایات کی بنیاد پر خواتین کو عیدگاہ آنے کی دعوت دی جاتی ہے اس سلسلے میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مفتی نظام الدین صاحب کے فتاوے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

صرف عورتوں کی علیحدہ اور مستقل جماعت قائم کرنا بے اصل اور بے ثبوت ہے، اس کو بدعت کہنا صحیح ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو عید کی نماز میں مردوں

کی جماعت میں شامل ہونے کی اجازت، بلکہ تاکید تھی، عورتوں کو مردوں کے پیچھے کھڑے ہونے کی تاکید تھی[۱] لیکن حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عورتوں کو جماعت میں آنے سے ممانعت کی، فقہائے کرام نے بھی زمانہ کی حالت اور لوگوں کی اخلاقی کیفیت بدل جانے کی وجہ سے ممانعت کو درست سمجھا۔[۲]

اب اگر عورتیں نہ مانیں تو وہی صورت اختیار کرنی چاہیے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، یعنی عورتیں مردوں کی جماعت میں شریک ہو جائیں، ہاں! ایسا انتظام کر دیا جائے کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو، عورتوں کی صفیں مردوں کے پیچھے اور

---

(۱)عن الزهری سمع سالماً یحدث عن أبیه یبلغ به النبی صلی الله تعالی علیه وسلم: "إذا استأذنت أحدکم امرأته إلی المسجد فلا یمنعها .الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء إلی المساجد": ج۱،ص:۱۸۳،قدیمی؛عن أبی هریرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "خیر صفوف الرجال أولها وشرها آخرها، وخیر صفوف النساء آخرها وشرها أولها. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف وإقامتها": ج۱،ص:۱۸۲،قدیمی؛وسنن النسائی، کتاب الصلاة، باب ذکر خیر صفوف النساء وشر صفوف الرجال: ج۱،ص:۱۳۱،قدیمی)

(۲)ویکره تحریماً جماعة النساء ولو فی التراویح.....ویکره حضور من الجماعة ولو لجمعة وعید ورعظ مطلقاً، ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی به لفساد الزمان. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ج۱،ص:۵۶۵،۵۶۲،سعید زکریا دیوبند؛ ج۲،ص:۳۰۵، ۳۰۶؛وعن عمرة بنت عبد الرحمن أنها أخبرته أن عائشة رضی اللّٰه تعالی عنها زوج النبی صلی الله تعالی علیه وسلم قالت: "لو أدرک رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ما أحدث النساء من التطیب والزینة للخروج إلی المسجد لمنعهن .أی: رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم صریحاً، وإلا فقد منعهن ضمناً کما فی الحدیث المتقدم بقوله: " ولا یخرجن وهن تفلات "المسجد" خروجهن إلی المسجد کما منعت نساء بنی إسرائیل .الحدیث .بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب التشدید فی ذلک: ج۱،ص:۳۱۹؛ إمدادیہ ملتان)وکره جماعة النساء وحدهن. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ج۱،ص:۱۳۵؛إمدادیہ ملتان)زکریا دیوبند: ج۱،ص:۳۴۸)

علیحدہ ہوں۔[۱]

مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں:[۲]

عورتوں کے لئے نماز عیدین اور جمعہ کسی میں شرکت کی اجازت نہیں ہے، کیوں کی عورتوں کا بناؤ سنگار اور زینت کا لباس پہن کر مردوں میں آنا ممنوع ہے اور جب کہ پردہ کا بھی اہتمام نہ ہو تو اس صورت میں غیر محرم کے سامنے آنا حرام ہے، اس لئے بجائے خدا کی رحمتوں کے حصول کے غضب کے نزول کا سبب بن جائے گا۔

"قال فی الخلاصة: ولا یخرج الشاب من النساء فی جمیع الصلوات إلی قوله وقد ذکرنا الجواب المختار فی زماننا أنهن لا یخرجن"[۳]

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کو عیدین کی نماز میں شرکت کی اجازت نہیں ہے، اس لیے کہ خواتین کا عیدگاہ میں جانے سے فتنے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ عمل خدا کی رحمت کے حصول کے بجائے اس کے غضب کا موجب بن سکتا ہے۔

---

(۱) ویصف الرجال ثم الصبیان، ظاهره تعددهم، فلو واحداً دخل الصف، ثم الخناثی، ثم النساء. (الدر المختار، "کتاب الصلاة: باب الإمامة": ج۱، ص:۵۶۸، سعید؛ زکریا دیوبند: ج۲، ص:۳۱۴؛ (وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، "کتاب الصلاة: باب الإمامة": ص:۳۰۸، قدیمی)

(۲) منتخبات نظام الفتاوی: ج۱، ص:۳۴۴، ناشر: ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی۔

(۳) فتاوی عالمگیری: ج۱، ص:۱۸۳.

بارگاہِ الٰہی جلّ مجدہ میں بہ نیاز عجز اظہارِ تشکر اور حمد وسپاس ہے کہ دار العلوم وقف دیوبند کے شعبۂ تخصص فی الافتاء کے فاضلِ ذی فہم عزیزم مولوی شمس قمر صاحب معین مدرس نے اپنے مقالۂ سنویہ کے لیے برصغیر کے نامور فقیہ اور متبحر عالم حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ کی نہایت وقیع اور علمی حیثیت کی حامل تصنیف ”تحفةُ النبلاء في جماعةِ النساء“ کو اپنا موضوعِ تحقیق وتدوین قرار دیا، یہ موضوعی انتخاب عزیز موصوف کے علمی ذوقِ اور فقہی بصیرت کے آثار پر دلالت کرتا ہے امید ہے کہ ان کی یہ کاوش فقہی تحقیق کے باب میں ان شاء اللہ قدر افزاء اضافہ ثابت ہوگی۔

راقم السطور ذات حق جل مجدہ بارگاہِ کبریائی میں نہایت عجز ونیاز کے ساتھ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس علمی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبولیت اور ثمر آوری سے سرفراز فرماتے ہوئے انہیں علم وعمل کی مزید عظمتیں رفعتیں اور دین متین کی خدمت کی اعلیٰ توفیقات وسرخروئی سے بہریاب فرمائیں۔

(حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم)

Ḥujjat al-Islām Academy
Al-jamia al-Islamia Darululoom Waqf, Deoband
Eidgah Road, P.O.Deoband - 247554, Distt: Saharanpur U.P. India
Tel: +91 84394 12767, +91 92599 87074
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in, hujjatulislamacademy2013@gmail.com
ISBN 978-93-84775-51-3